ہفت روزہ
# الفتح
کراچی

## تھک گیا کوئی، تو تازہ دم آیا




قیمت ۷۵ پیسے
ہوائی ڈاک سے ایک روپیہ

صفدر ہمدانی




میرے بچوں کے چہروں پہ بھوک اُگ رہی ہے
میرے ہاتھ سے میری خدائی کا سورج طلوع ہو رہا ہے
میری آنکھوں میں فٹ پاتھ کے ان مکینوں کی لاشیں سجی ہیں
جن کے چہروں پہ غربت نے لکھا ہُوا ہے
بے خبر سو رہو
بے خبر سو رہو
مت کسی سے دکھوں کی کہانی کہو
دنیا بھر کے غریبوں کے ہمدرد لوگو
آؤ فٹ پاتھ کے ان مکینوں کی لاشوں کو کاندھوں پہ رکھ کر
تنگ گلیوں سے گزُریں
یہ بھی ممکن ہے ان کا میرا اور سب کا خدُا اس جگہ ہو
تنگ گلیوں میں جا کر خدائی کے خالق خدا سے یہ پوچھیں
مقتلوں میں اداسی کے اسباب کیا ہیں
رُوحِ انسانیّت کے یہ قاتل کہاں ہیں
میرے بچو اُٹھو
بے کسو، بے بسو، بے سہارو اُٹھو
میں سہارا دوں تم کو
اپنے احساس کی زنگ آلود بیساکھیوں کا
میرے بچو اُٹھو
تنگ گلیوں میں جا کر خدا سے ملیں
اس کو دکھلائیں چہروں پہ اُگتی ہوئی بُھوک کی کھیتیاں
میرے بچّو اُٹھو
اپنے چہروں پہ تھوڑا لہوُ ڈال لو
شہرِ آشوب کا جگمگاتا لہوُ
ہاں صلیبوں پہ بہتا ہُوا آدمیت کا زندہ لہوُ
کربلا کے شہیدوں کا تازہ لہوُ
اور اپنا لہوُ
اپنے چہروں پہ تھوڑا لہوُ ڈال لو
زرد چہروں کا کھُلنے نہ پائے بھرم

شہرِ فاقہ کشاں
ان سسکتے بلکتے ہوئے زرد چہروں کی فریاد سُن
اِن کے پیٹوں پہ پتھر نہیں۔ ہیں چٹانیں بندھی
اِن کی آنکھوں سے اُٹھتا ہوا چمنیوں کا دھواں
اِن کے ہاتھوں پہ خفتہ ضمیروں کی لاشیں سجی
اِن کے پاؤں میں زنجیرِ لعنت کشی
زندگی بے بسی
شہرِ فاقہ کشاں
ان سسکتے بلکتے ہوئے زرد چہروں کی فریاد سُن

خدا کی بستی کے مظلوم
عوام کا ترجمان

ایڈیٹر
وہاب صدیقی

۲۷ دسمبر ۷۳ء - ۳ جنوری ۷۴ء
قیمت ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے ایک روپیہ

ہفت روزہ
الفتح

جلد :- ۴ ——— شمارہ : ۳۳

ادارئیے

# پارٹی اور حکومت

سابق صوبائی گورنر اور پیپلز پارٹی کے ممتاز رہنما میر رسول بخش تالپور نے سندھ کے نئے وزیر اعلیٰ جناب غلام مصطفیٰ جتوئی کے تقرر کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ میرے سمیت حکومت سے الگ ہونے والے تمام افراد کے بارے میں تحقیقات کرائی جائے کہ وہ اپنے دورِ اقتدار میں بدعنوانیوں کے مرتکب تو نہیں ہوتے۔ اس کے ساتھ ہی نئے وزیر اعلیٰ نے ایئر پورٹ پر اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ میری زندگی کا مقصد بدعنوانیوں کا قلع قمع کرنا ہے۔ میں اس جرم کے مرتکب بڑے سے بڑے فرد یا شخصیت کو معاف نہیں کروں گا۔

میر رسول بخش تالپور کے خیر مقدمی مطالبے اور سندھ کے نئے وزیر اعلیٰ کے اعلان کو سندھ کے شہریوں کی مکمل حمایت حاصل ہوگی۔ ہمارے ملک میں جمہوریت ایک تجرباتی دور سے گزر رہی ہے۔ ایوب خان کے دس سالہ دورِ آمریت اور یحییٰ خان کے دورِ استبداد کا جائزہ لیا جاتے تو پتہ چلتا ہے کہ عوام کو احساسِ محرومی کے سوا کچھ نہیں ملا اور گنتی کے خاندان پورے ملک کے سرمایے پر بدعنوانیوں اور لوٹ کھسوٹ کے ذریعے قابض ہوگئے اس عرصے میں یہ مشہور ہوگیا تھا کہ فریادی کی درخواست پہیئے کے بغیر آگے نہیں چل سکتی۔ یہ پہیہ رشوت ہوتا تھا جس نے ہاتھ گرم کر دیے، اس کا کام بن گیا اور جو یہ نہ کر سکا، وہ اپنے حق سے محروم ہوگیا لہٰذا آمریت کے پاسبانوں کے خلاف عوام اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے دکھوں اور مشکلات کا مداوا موجودہ منتخب نمائندوں کی حکومت میں تلاش کیا۔

موجودہ حکومت سے عوام نے بڑی توقعات وابستہ کی تھیں، اُن کے لیے یہ حکومت نئے نظام کی پیامبر تھی، وہ نظام جس میں مساوات ہوگی، وہ معاشرہ جو سوشلزم کے سچے اصولوں

خاص مضامین



سرورق ○ انور سمیع

فون ۴۱۲۲۷۴

ارشاد راؤ پبلشر نے حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ الفتح، ۸ ڈی نرسری کمرشل ایریا پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

پر مبنی ہوگا، جہاں انصاف ہوگا اور کوئی بھوکا نہیں مرے گا۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب کہ پورا ڈھانچہ تبدیل کر دیا جاتا، مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا اور عوام کے منتخب نمائندوں کو اسی نوکر شاہی اور اسی نظام کے ستونوں کے درمیان کام کرنا پڑا جو ایوب اور یحییٰ خان کے دور میں سب کچھ تھے، پھر منتخب نمائندے بھی اسی نظام کی پیداوار ہیں۔ ان نمائندوں میں سے بعضوں نے صدقِ دل سے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کی مگر بعض ایسے بھی نظر آتے جو پہلے نانِ جویں پر دوسروں کی جانب تکتے تھے اور اقتدار کی نعمتوں کی بدولت قارون کے خزانے کے مالک بن گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے عوام کے ان شکوک کو تقویت پہنچائی کہ آج بھی بدعنوانیاں اسی شدومد سے جاری ہیں جیسا کہ پہلے تھیں۔

ابھی ایک ہفتہ پہلے کراچی میں محمود آباد کی ایک معمر دایہ پُراسرار طور پر اس دُنیا سے رُخصت ہوگئی ہے۔ یہ ایک ضعیف خاتون تھی۔ مرحومہ کا خاوند پندرہ سال پہلے انتقال کر چکا تھا۔ اس کے پسماندگان میں ایک بیوہ اور تین بچّے تھے۔ ان بچّوں میں ایک لڑکی اور دو لڑکے تھے اور یہ تینوں ذہنی طور پر پسماندہ تھے۔ لڑکی جوان ہوئی تو تقریباً چھ ماہ پہلے بعض ظالموں نے اُسے اغوا کر لیا۔ ماں بے چاری بچّی کی تلاش میں دھکّے کھاتی رہی۔ تھانے میں شنوائی نہ ہوئی۔ اعلیٰ پولیس افسروں سے ملاقات نہ کر سکی۔ اُس نے اپنی فریاد پہنچانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ غریب بیوہ کی چیخیں بلند ہوئیں تو ایک دن اخبارات میں یہ خبر ہی چھپ گئی: "محمود آباد کی معمر دایہ زیتون بی بی پُراسرار طور پر فوت ہوگئی۔" غمزدہ ماں اپنی بیٹی کو نہ پا سکی اور خود دم توڑ گئی۔ جس کسی نے یہ سانحہ سُنا یا اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ بے ساختہ پکار اٹھا، انصاف کہاں ہے؟

ان حالات میں نئے وزیر اعلیٰ جناب غلام مصطفےٰ جتوئی کی یہ آواز سندھ کے باسیوں کے لیے بہت بڑا سہارا بن گئی ہے کہ وہ بدعنوانیوں کا قلع قمع کریں گے۔ اس کی ابتدا اپنی صفوں سے ہونی چاہیے جب تک وہ لوگ جنہیں بدعنوانیوں کے خاتمے پر مامور کیا جائے گا، عوام کی نظروں میں دیانتدار نہ کہلائیں گے، بدعنوانیوں کا خاتمہ نہیں ہوگا۔

سرکاری مشینری سے بدعنوانیوں کو نیست و نابود نہیں کرایا جا سکتا۔ اس کا ثبوت محکمہ انسداد رشوت ستانی سے لگایا جا سکتا ہے اس محکمے نے رشوت ستانی کی روک تھام کے علاوہ باقی سب کام انجام دیے ہیں جو رشوت اور بدعنوانیوں کو موجودہ مقام دِلانے میں معاون و مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ مصطفےٰ جتوئی صاحب کو سرکاری مشنری سے ہٹ کر کام کرنا ہوگا۔ پارٹی کی حکومتوں میں پارٹی کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اسے بدقسمتی کہیے کہ موجودہ حکومت میں پارٹی مفلوج ہو کر رہ گئی اور ایماندار اور مخلص کارکنوں نے بددل ہو کر پارٹی سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس طرح اقتدار کا منبع ہی کمزور پڑ گیا۔

مصطفےٰ جتوئی صاحب کے ابتدائی بیان سے پارٹی کی اہمیت کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وزیرِ اعظم جناب بھٹو نے نئے دور کے آغاز کی ٹھان لی ہے اور اب پارٹی کو اوّلیت حاصل ہوگی۔ اس دور کا آغاز سندھ سے کیا جا رہا ہے جہاں کابینہ میں کسی ایسے شخص کو شامل نہیں کیا جائے گا جو پارٹی کا عہدیدار بھی ہو یعنی دو سال پہلے (الفتح نے جناب بھٹو کے اقتدار سنبھالتے ہی جو مشورہ دیا تھا کہ پارٹی عہدے الگ، حکومتی عہدے الگ، اس پر عملدرآمد شروع ہونے والا ہے۔ یہ مستحسن اور قابلِ قدر اقدام ہے۔

پارٹی اور حکومتی عہدوں کو الگ الگ کرنے سے جناب جتوئی کے اس خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں کہ بدعنوانیوں کا ہر سطح پر خاتمہ کیا جائے گا۔ ہماری رائے ہے کہ وہ سندھ زون کی پارٹی کے تمام یونٹوں سے درخواست کریں کہ وہ اپنے اپنے علاقے کے بارے میں بدعنوان اہلکاروں اور پارٹی کے اندر بدعنوان افراد سے متعلق رپورٹ مرتب کر کے انہیں اور پارٹی کے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو کو ارسال کریں۔ ان رپورٹوں کی جانچ پڑتال کے لیے چیئرمین بھٹو ایک کمیٹی مقرر کریں اور اس کمیٹی کا سربراہ بیگم نصرت بھٹو کو مقرر کیا جائے۔ بدعنوان اہلکاروں اور دوسرے افراد کے بارے میں حتمی رپورٹ کی روشنی

باقی صفحہ ۳۰ پر





### ... مَیں تھک گیا ہوں ... ممتاز بھٹو

**احوال واقعی**

**واقف حال**

# جتوئی غیر متنازعہ وزیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے آئے ہیں

## حفیظ پیرزادہ سندھ میں اہم مقام حاصل کریں گے

۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کی نشری تقریر میں مسٹر بھٹو نے کہا تھا۔

'سب چیزیں عارضی ہیں۔ مستقل انتظام تب ہوگا جب ملک کا آئین لوگوں کی منظوری کے بعد نافذ ہو جائے گا۔ اِس وقت مجھ سمیت ہر چیز عارضی ہے'

چنانچہ مستقل آئین کے نفاذ کے بعد مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ملک کے وزیرِ اعظم بن گئے۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر کو پنجاب کا وزیرِ اعلیٰ بنا دیا گیا۔ اب وفاقی وزیرِ مواصلات جناب مصطفیٰ جتوئی کو سندھ کا وزیرِ اعلیٰ نامزد کیا گیا ہے۔

مصطفیٰ جتوئی سندھ کے با اثر اور بڑے زمیندار ہیں۔ ان کے وزیرِ اعلیٰ بننے سے سندھ کی سیاست میں نمایاں تبدیلیاں ہوں گی۔ ان کو میر رسول بخش تالپور اور عبد الحمید جتوئی کی حمایت حاصل ہونے کے امکانات بہت روشن ہیں، تالپور خاندان سے ان کے قریبی اور گہرے تعلقات ہیں۔ نسلی اعتبار سے دونوں بلوچ ہیں۔ چنانچہ اس بات کا امکان ہے۔ کہ مصطفیٰ جتوئی، تالپور خاندان سے تعلقات اور اُسکے سیاسی اثر و رسوخ کے پیشِ نظر میر رسول بخش تالپور کے ایک اعتمادی کو اپنی کابینہ میں ضرور شامل کریں گے عبد الحمید جتوئی، جتوئی خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے ان کی حمایت کرنے پر مجبور ہوں گے۔ سندھ میں حالیہ اعلیٰ سیاسی تبدیلیوں کے پسِ منظر میں جناب عبد الحفیظ پیرزادہ کی شخصیت کا اُبھار بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ مسٹر پیرزادہ اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے جہاں مرکز میں ایک خاص مقام حاصل کر چکے ہیں۔ انہیں اب سندھ میں زیادہ اہمیت حاصل ہو جائے گی۔ نئی کابینہ میں مسٹر پیرزادہ کو خاصا دخل ہوگا۔

عوام نے، خصوصاً کراچی والوں نے مصطفیٰ جتوئی کے تقرر کا خیر مقدم کیا ہے۔ کیونکہ مسٹر جتوئی نے مرکزی وزارت کے دور میں اپنے دامن پر کوئی داغ نہیں آنے دیا۔ ہمیشہ گفت و شنید اور باہمی صلاح مشورے سے مسائل کو طے کیا۔ کسی بات کو اپنے وقار کا مسئلہ نہیں بنایا۔ سندھ کے وزیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے کامیاب رہتے ہیں یا نہیں، اِسکا جواب مستقبل دے گا۔ تاہم مسٹر مصطفیٰ جتوئی کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ صوبہ سندھ کے مسائل بہت ہی پیچیدہ ہیں۔ خصوصاً کراچی مسائل کا شہر ہے اِسکے علاوہ سندھ میں پاکستان پیپلز پارٹی اتنی مضبوط نہیں جتنی پنجاب میں ہے۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ سندھ میں ۱۹۷۰ء کے انتخابات جیتنے کے لئے پیپلز پارٹی کو درمیانے طبقہ کی بجائے زمین داروں اور وڈیروں کا سہارا لینا پڑا۔ پنجاب کے برعکس یہاں جو افراد پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے ہیں انکی اکثریت زمینداروں پر مشتمل ہے۔ ان باتوں کے پیشِ نظر مسٹر جتوئی کو نہایت محتاط انداز میں کام کرنا ہوگا۔

سابق وزیرِ اعلیٰ سندھ جناب ممتاز علی بھٹو نامعلوم اسباب کی بنا پر اپنے عہدے سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ "مَیں بہت تھک گیا ہوں۔ اب آرام کرنا چاہتا ہوں"۔ مسٹر ممتاز بھٹو تقریباً دو سال سندھ حکومت کے سربراہ رہے۔ جب انہوں نے صوبائی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، تو سندھ کے حالات اور مسائل تقریباً اُتنے ہی خراب اور پیچیدہ تھے، جتنے مسٹر بھٹو کے اقتدار سنبھالتے وقت پاکستان کے تھے۔ سندھ خطرناک بحران بلکہ مہلک بحران میں مبتلا تھا، سندھ کی تاریخ ایک فیصلہ کن موڑ پر پہنچ چکی تھی۔ بے روزگار مزدوروں کی فوج ظفر موج دربدر کی ٹھوکریں کھا رہی تھی۔ کارخانوں اور ملوں میں بے دخلیاں اور تالہ بندیاں عروج پر تھیں۔ ہاریوں کو بیدخل کیا جا رہا تھا۔ جی۔ ایم۔ سیّد گروپ اور نواب مظفر کا محاذ عوام میں تعصب اور علاقائی نفرت کو پھیلا رہا تھا۔ غرض کہ سندھ مسائل کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ دوسرے صوبوں کو اتنے مسائل کا سامنا نہ تھا۔ مسٹر

## مزدوروں، کسانوں اور طلبہ کی رہائی سے جتوئی کی مقبولیت میں اضافہ ہو سکتا ہے

ممتاز بھٹو نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اپنی صوابدید اور صلاحیتوں کے مطابق مسائل حل کرنے کی کوشش کی۔ اُنہوں نے اپنے طور پر مہاجرین اور سندھیوں کے درمیان پھیلائی ہوئی نفرت کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ سندھ کے عوام کے جائز اور منصفانہ مطالبے کے مطابق سندھی کو صوبائی زبان کا درجہ دے کر نہ صرف سندھ کے محروم عوام کو اُن کا حق دلایا بلکہ جی۔ ایم۔ سید کے دائرۂ اثر کو بہت حد تک محدود کر دیا۔ البتہ اُن کے اِس اقدام سے درمیانے اور اونچے طبقے کے مہاجرین ناراض ہو گئے۔ کیونکہ سندھی کو صوبائی زبان بنانے سے اُن کے معاشی مفادات پر ضرب کاری پڑی تھی۔ چنانچہ کراچی اور سندھ کے دوسرے شہروں میں ممتاز بھٹو کی ساکھ کو خاصا نقصان پہنچا۔ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ وہ سندھی اور مہاجرین کے ساتھ یکساں رویہ اختیار نہیں کرتے، امتیازی سلوک برتتے ہیں لیکن مسٹر ممتاز بھٹو کا کہنا ہے کہ اُنہوں نے "کبھی بھی امتیازی سلوک نہیں برتا۔ سب کو ایک جیسا جانا۔ البتہ انہیں اندرون سندھ مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ سندھی نوجوانوں کی توجہ کا مرکز بنے۔ اور انہیں "ڈھیسر سندھ" (سندھ کے لئے دس سر دینے والا) کا خطاب دیا گیا۔ گو اب وہ برسرِ اقتدار نہیں لیکن سندھ کی سیاست میں اُن کا عمل دخل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مسٹر ممتاز بھٹو کے دورِ حکومت کا سب سے بڑا المیہ، اور ۸ جون ۱۹۷۲ء اور لانڈھی کورنگی کی فائرنگ ہے۔ سائٹ اور لانڈھی کورنگی کے مزدوروں پر پولیس نے جس وحشیانہ انداز میں فائرنگ کی اور انسانوں کا شکار کھیلا۔ وہ ممتاز بھٹو کے دامن پر بہت ہی بڑا بدنما داغ ہے۔ جسے وہ اپنے دامن سے کبھی نہیں دھو سکتے۔ سائٹ اور لانڈھی کورنگی میں جتنے مزدور شہید ہوئے، اتنے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ مسٹر ممتاز بھٹو کے اس اقدام اور رویّہ سے نہ صرف وہ مزدوروں کی نفرت کا نشانہ بنے بلکہ پاکستان پیپلز پارٹی بھی محنت کشوں کی حمایت سے محروم ہو گئی۔ پاکستان پیپلز پارٹی کا وہ پرچم جو ۱۹۷۰ء میں مزدوروں کی عظمت کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ جسے سائٹ اور لانڈھی کورنگی کے مزدوروں نے بڑے چاؤ سے اپنے مکانوں اور جھگیوں پر لہرایا تھا۔ اُسے ۸ جون ۱۹۷۲ء کے بعد مزدوروں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اتار دیا۔

مسٹر مصطفیٰ جتوئی اگر چاہتے ہیں کہ مستقبل کا مؤرخ اُن کا نام کامیاب وزیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے لکھے۔ تو انہیں چاہیئے کہ وہ مزدوروں اور کسانوں کی ہمدردیاں اور حمایت حاصل کریں محنت کشوں کی حمایت اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ وہ گرفتار شدہ مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیں۔ وارنٹ گرفتاری واپس لے لیں اور چھانٹی، برطرفیوں، بے دخلیوں اور تالہ بندیوں کو روکنے کے لئے مؤثر اقدام کریں۔

### اسپین کے وزیرِ اعظم کی ہلاکت

۲۰ دسمبر کو اسپین کے وزیرِ اعظم ایڈمرل لوئیس کیریرو بلانکو بم کے دھماکے سے ہلاک ہو گئے۔ اُن کا ڈرائیور اور ایک محافظ بھی ہلاک ہو گیا۔ اور نائب وزیرِ اعظم فرنانڈس میرانڈا نے وزیرِ اعظم کے عہدے کا چارج سنبھال لیا۔ ایڈمرل بلانکو کی عمر ۷۰ سال تھی، انہوں نے جون ۱۹۷۳ء میں وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا تھا۔ وہ اسپین کے سربراہ جنرل فرانکو کے اعتمادی اور خاص دوستوں میں شمار کئے جاتے تھے اور ۱۹۴۰ء سے حکومت کے اہم عہدوں پر فائز چلے آ رہے تھے۔ بی بی سی نے ایڈمرل بلانکو کی ہلاکت کو قتل کا واقعہ قرار دیتے ہوئے بتایا کہ وزیرِ اعظم ایڈمرل بلانکو کا قتل اس وقت ہوا ہے جب کہ غیر قانونی جماعت تشکیل دینے کے جرم میں دس افراد پر مقدمہ کی سماعت شروع ہونے والی ہے۔ اِس سے قبل اسپین کے دارالحکومت میڈرڈ میں پمفلٹ اور پوسٹر تقسیم کئے گئے تھے۔ جس میں کہا گیا تھا کہ جس دن ان دس افراد کے مقدمے کی سماعت شروع ہو گی اُس دن عام ہڑتال کی جائے گی۔ اور دوسری کارروائیاں کی جائیں گی۔

اسپین پر ۱۹۴۰ء سے فوجی آمریت مسلّط ہے وہاں کے آئین میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اسپین کا نظامِ حکومت آمریت ہے۔ وہاں سیاسی آزادیاں ہیں نہ شہری آزادیاں، سیاسی پارٹی بنانے کی اجازت نہیں، پریس کو بھی آزادی نصیب نہیں، حریت پسندوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔ تمام تشدد آمیز حربوں کے باوجود اسپین کے عوام جنرل فرانکو کی آمریت سے نجات حاصل کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ آزادی اور جمہوریت کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں۔

یہ ۱۹۳۶ء کا ذکر ہے۔ اسپین میں جمہوری اور انقلابی نظریات تیزی سے پھیل رہے تھے۔ اُس وقت اسپین میں ترقی پسند جمہوری حکومت قائم تھی وہ جاگیرداری

باقی صفحہ ۳۰ پر



صدر فضل الٰہی چودھری، زرعی نمائش کا معائنہ کر رہے ہیں۔

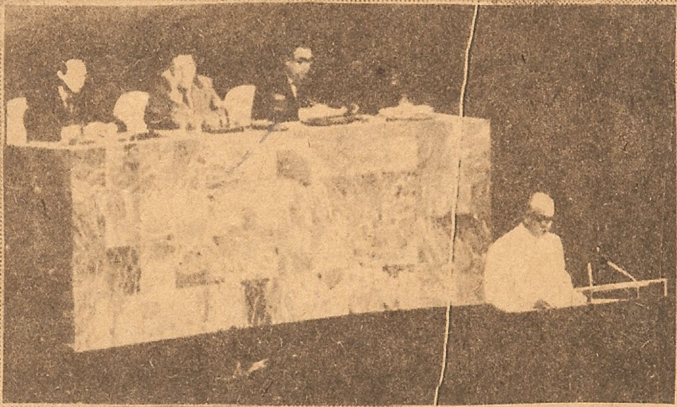
## یورپی اور عظیم طاقتوں کے ساتھ تعلقات

## ستمبر 1965 کی جنگ میں فرانس نے پاکستان کی حمایت کی

ذوالفقار علی بھٹو کے قلم سے

اب دیکھنا یہ ہے کہ مغربی یورپ کی تین نیم عظیم طاقتوں میں سے کون سی طاقت نظر آنے والے مستقبل میں پاکستان کے قومی مفاد کو ترقی دینے کا زیادہ حق ادا کر سکتا ہے لیکن فرانس کی حکمت عملی کی بنیاد پر گمان غالب اسی کی طرف ہوتا ہے۔ حق خود ارادیت کے اصول کے لیے اس کی حمایت اپنے آپ کو ادقیانوسی معاہدے کی سربراہی سے آزاد کرانے کی کوشش اور ایشیائی مسائل میں اس کا





## پاکستان پر برطانیہ کا اثر کم

## اور امریکہ کا سایہ بڑھ گیا!

### چین کے ساتھ بھارت کا جھگڑا ایشیا میں قیام امن کے لئے مفید تھا

# امریکہ پاکستان کو اسلحہ کی مزید مدد نہیں دے گا



شعور، ان تمام چیزوں کا نتیجہ پاکستان کے ساتھ اس کی دوستی میں رُو نما ہوا ہے۔

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں فرانس نے پاکستان کو مایوس ہونے کا موقع نہ دیا۔ بلکہ سلامتی کونسل میں اسکا رویہ، کیونکہ اس نے دوسری بڑی طاقتوں کی طرف سے تعزیرات عائد کرنے کی دھمکیوں کی مخالفت کی بہت مددگار ثابت ہوا۔ جولائی ۱۹۶۵ء میں کنسورشیم کے درمیان بحران کے وقت بھی فرانس نے پاکستان کو اقتصادی اور سیاسی دونوں طرح کی امداد دی۔ اس کی عالمی پالیسی ہمارے قومی اور بین الاقوامی مفادات کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ اور اس نے سربراہی کے سائے میں ہندستان کے تنزل پذیر قامت کے منفی نتائج کا احتیاط سے مشاہدہ کیا ہے۔ فرانس کو یقین ہے کہ چین کے ساتھ ہندوستان کا جھگڑا ایشیا میں قیام امن کے لئے مفید نہیں۔ وہ اس بات کی قدر کرتا ہے کہ پاکستان نے چین کے ساتھ اعتماد اور مفاہمت کے تعلقات استوار کئے ہیں، اور اپنے تشخص اور خودمختاری کو قائم رکھنے کے لئے پاکستان کی جدوجہد میں وہ اس کا ہمدرد ہے۔

مغربی جرمنی کے ساتھ پاکستان کے تعلقات دوستانہ ہیں اور اس نے دوسرے جرمنی کے ساتھ ابھی تک کسی طرح کا رابطہ قائم نہیں کیا ہے لیکن جرمن خارجہ پالیسی کی حدود کو دیکھتے ہوئے وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ اپنی بڑھتی ہوئی طاقت کے باوجود جرمنی کی فیڈرل ریپبلک ایسی صورت میں کہ اس پر شدید دباؤ پڑے، کس حد تک پاکستان کو ٹھوس مدد دینے کے قابل ہوگی۔ تاہم یہ بات اہم ہے کہ ہم اس ملک کے ساتھ اس کی اپنی اہمیت اور اقتصادی میدان میں پاکستان کو مدد دینے کی صلاحیت کی بنا پر اپنے تعلقات بنائے رکھیں۔ لیکن ہم اس کو کم از کم فی الحال ایک سیاسی بیرم نہیں بنا سکتے اور وہ ریاستہائے متحدہ کی طرف سے منقطع فوجی ساز و سامان کی تلافی نہیں کرسکتا۔

ہمارے خطے میں برطانیہ کا اثر کم ہوگیا ہے اور اب اس پر ریاستہائے متحدہ کا سایہ غالب ہوگیا ہے۔ چونکہ برطانیہ خود امریکہ کا دستِ نگر ہے اور پاکستان اور ہندوستان دونوں دولتِ مشترکہ کے ارکان ہیں۔ اس لئے وہ ایک قسم کی ادلتی بدلتی غیر جانبداری کا سلسلہ جاری رکھے گا، کبھی وہ پاکستان کی حمایت کرے گا اور کبھی ہندوستان کی، لیکن زیادہ تر ہندوستان ہی کی طرفداری کرے گا۔ اس کے باوجود ہمیں برطانیہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات جاری رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ مغربی جرمنی کی طرح برطانیہ کے ساتھ اچھے تعلقات میں بھی کچھ فوائد ہیں۔ ہمیں اس بنا پر نہیں رُکنا چاہیئے کہ یہ ممالک ہمارے بنیادی مسائل کے حل میں کوئی مثبت اور معقول کردار ادا نہیں کرسکتے۔ ہمیں انتظار کرنا چاہیئے اور تبدیلی کی توقع رکھنی چاہیئے۔ موجودہ حالات میں بھی ان دونوں ملکوں کے ساتھ ہر ممکن حد تک بہترین تعلقات قائم رکھنے میں کئی فوائد ہیں۔ تمام تحتی عوامل کو یکجا کر رکھنا اور مناسب موقع پر انہیں مؤثر انداز میں استعمال کرنا، اور آگے بڑھانا چاہیئے۔

علت و معلول کا اصول خارجہ امور پر ویسا ہی صادق آتا ہے جیسا کبھی ہر جاننے کے قانون پر۔ ریاستی تعلقات کے اہتمام میں ایک سرگرم باہمی رابطہ اور دوطرفہ اثر کارفرما ہوتا ہے۔ ایک ایسی خارجہ حکمتِ عملی جو تسلیم شدہ عالمگیر اصولوں پر مبنی ہو دوسری ریاستوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، جبکہ ایک مصلحت آمیز اور موقع پرست حکمتِ عملی دوسرے ممالک کیساتھ تعلقات میں ملک کی شبیہہ پر ناموافق اثرات ڈالتی ہے



معاہدۂ شملہ پر دستخط کرنے کے بعد مسٹر بھٹو، مسز اندرا گاندھی سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔

# پاکستان کو عالمی طاقتوں کے نظریاتی یا علاقائی تنازعوں میں ملوث نہیں ہونا چاہئے

اگر پاکستان کی پالیسیاں با اصول اور اخلاقی معیار کی ہوں تو دوسری مملکتوں پر لازماً ان کا اثر ہمارے موافق ہوگا.

فرانس، برطانیہ اور مغربی جرمنی کے ساتھ حقیقت پسند حکمتِ عملی پر کاربند ہو کر مغربی یورپ کے دوسرے ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے خوشگوار حالات پیدا کئے جا سکتے ہیں. ان ممالک کے ساتھ روابط نیز اقتصادی امداد کی ضرورت کے پیشِ نظر اس قسم کے تعلقات اور بھی ضروری ہیں۔ ان مثبت عوامل کو ایشیا میں، پاکستان کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کی وجہ سے مزید تقویت ہوتی ہے.

اسی قسم کی دلیلیں مشرقی یورپ کے اشتراکی ممالک کے معاملے میں بھی صادق آتی ہیں، جن کے ساتھ پاکستان کا بڑھتا ہوا میل جول زندگی کے کئی میدانوں میں سازگار فضا پیدا کر سکتا ہے۔ مغربی یورپ کی طرح مشرقی یورپ میں بعض کانٹے کی ریاستیں ہیں جو ہماری خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ ان میں سب سے اہم رومانیہ ہے جو حال ہی میں جرائت مندی کے ساتھ ایک دُوراندیش خارجہ پالیسی پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے آگے آگیا ہے۔ چیکوسلواکیہ اور پولینڈ کے صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک کی طرف توجہ دینا بھی اتنا ہی ضروری ہے، اگرچہ انہیں بھی سوویت یونین کی طرح اس چیز کی طرف سے اندیشہ ہے جسے وہ جرمنی کے "انتقامی دعوے" کہتے ہیں.

جہاں تک مجموعی طور پر یورپ کے برِ اعظم کا تعلق ہے پاکستان مشرق و مغرب کے باہمی تعاون میں توسیع کا خیر مقدم کرے گا۔ یورپ کے داخلی اشتراک کا عمل برطانیہ کا یورپ میں ایک یورپی طاقت کی حیثیت سے داخل ہو جانے کے ساتھ، نیز ان بہت سی بندشوں کے ختم ہو جانے سے جو مشرقی اور مغربی یورپ کے درمیان ہیں، تیز تر ہو جائے گا۔ جب یہ تشکیلات رونما ہوں گی تو جنرل ڈیگال کا "آزاد یورپی یورپ"، یعنی ایسا یورپ جو عالمی امن کی محافظت میں نمایاں طور پر حصہ لے سکے، وجود میں آجائے گا.

ریاستہائے متحدہ کے ساتھ پاکستان کے روابط کے سلسلے میں ہم نے دیکھ لیا کہ تعلقات معمول پر رکھنے کے لئے سخت شرائط عائد کرنے کی پالیسی کے عملی نتائج کیا ہوتے ہیں۔ جموّں اور کشمیر کے مسئلے پر ہندوستان کے ساتھ جھگڑے میں پاکستان کی حمایت کی تو اس لئے کی کہ یہ بدیہی طور پر ریاستہائے متحدہ کے مفاد میں تھا۔ غیر منسلک ہندوستان پر اپنا سایہ پھیلانے میں ناکام ہونے کے بعد ریاستہائے متحدہ نے پاکستان کی طرف توجہ کی اور نتیجتہً جموں اور کشمیر کے معاملے میں عوض معاوضے کی بنیاد پر ہماری حمایت کی۔ بین الاقوامی صورتحال کے تغیرات نے ریاستہائے متحدہ کے ابتدائی اندازِ نظر میں ایسی تبدیلیاں پیدا کی ہیں جو عالمی مفادات اور حکمتِ حرب کی تابع ہیں،

فوجی ساز و سامان مہیا کرنے کے فیصلے پر ذرا بھی اثر انداز نہ ہو سکے۔ پھر جب ہندوستان کو ہتھیاروں کی فراہمی ریاستہائے متحدہ کے مفید مطلب ہوئی تو ہمارے اپنے احتجاج ہر چند کہ بہت شدید تھے ریاستہائے متحدہ کے فراہمی اسلحہ کے فیصلے پر کوئی اثر نہ ڈال سکے فروری ۱۹۶۳ء میں امریکی حکومت نے اپنے نائب سیکرٹری آف سٹیٹ فلپس ٹالبوٹ کو برِّصغیر کے دورے پر روانہ کیا۔ اس نے پاکستان میں یہ بات کہی کہ اس علاقے میں توازنِ طاقت برقرار رکھنے کیلئے ریاستہائے متحدہ نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ پاکستان کو اسلحہ کی مزید مدد نہیں دے گا، نیز یہ کہ جس طرح ماضی میں ہندوستان کی طرف سے احتجاجوں کے باوجود پاکستان کو اسلحہ دیا جاتا رہا۔ اسی طرح اسی کی حکومت پاکستان کے احتجاجوں کے علی الرغم ہندوستان کے لئے



## چین کی طرف سے پاکستان کی واضح حمایت بے مثال ہے

جنہیں جھگڑے کی حقیقت یا اس بات سے کوئی واسطہ نہیں کہ ہم نے اپنے مفادات کو اس بڑی طاقت کے ساتھ کس لئے منطبق کر لیا تھا.

تبت کے بحران اور چین اور ہندوستان کے مابین سرحدی جھڑپوں کے بعد ریاستہائے متحدہ نے ہندوستان کو اپنے دائرۂ اثر میں کھینچ لانے کے لئے نئے موقعے دیکھے۔ اس قسم کی مصلحت اندیشی جموں اور کشمیر کی بابت امریکہ کے رویے میں برابر جھلکتی رہی ہے۔ جب پاکستان کو فوجی امداد دینا اس کے عالمی مفاد میں تھا تو پنڈت نہرو کے سارے احتجاج پاکستان کو

ہتھیاروں کی فراہمی جاری رکھے گی۔ اس معاملے میں ریاستہائے متحدہ کی پالیسی بہت سخت رہی ہے اقتصادی امداد اور غلے کی ترسیل کی طرح ہتھیاروں کا بہاؤ بھی بڑھتا گیا اور ہندوستان کو دی جانے والی امداد مجموعی طور پر بغیر کسی وقفے کے بڑھتی ہی چلی گئی۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی امداد پاکستان کے احتجاجوں کے مقابلے میں اقلیدی تناسب یعنی دُگنے چوگنے کے حساب سے بڑھتی رہی

سوویت یونین کے معاملے میں ہم دیکھتے ہیں کہ غیر وابستہ ہندوستان کے ساتھ جموں و کشمیر کی بابت

# کوئی بھی عالمی طاقت اپنی سیاسی حمایت کے ذریعے کشمیر کو پاکستان کے حوالے نہیں کروا سکتی

اس کی مکمل ہم آہنگی کی روایتی پالیسی عالمی صورت احوال میں تبدیلیاں رونما ہونے کی وجہ سے قدرے مختلف ہوگئی ہے۔ جب سوویت یونین کو اپنے عالمی مفادات کی خاطر اپنے رویّے میں تبدیلی کرنی پڑی تو ہمارے تعلقات کا اس میں ذرا بھی دخل نہ تھا۔ ہندوستان کے احتجاجوں کے باوجود ان تبدیلیوں کو عمل میں لایا گیا جب سوویت یونین کو اپنے عالمی مقاصد کی خاطر جموں و کشمیر کے معاملے میں اپنا رویّہ دوبارہ متعین کرنا پڑا تو اس نے دفاعی معاہدوں میں پاکستان کی شرکت اور ''یو۔ ٹو'' کی پروازوں کو بھی نظر انداز کر دینا مناسب سمجھا، تاکہ چین کو روکا جا سکے۔ اسی طرح جب ہندوستان اور چین کے تعلقات دوستانہ تھے اور پاکستان اور چین کے تعلقات ویسے نہ تھے، تو چین نے جموّں اور کشمیر کے سوال پر ہندوستان کی حمایت کرنے سے محض اپنی غرض کے لئے انکار کر دیا۔ جب وزیر اعظم نہرو چین کی مدد حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے علامتی طور پر چین کو ہندوستان کا ہم خیال ظاہر کرنے کے لئے وزیر اعظم چواین لائی سے اصرار کیا۔ کہ وہ ہندوستان کے دورے کے اثنا میں سرینگر کی سیر بھی کریں۔ اگرچہ پاکستان اور چین کے درمیان اس وقت تعلقات معمول سے بعید تھے، چین کے وزیر اعظم نے مستقبل پر نگاہ رکھتے ہوئے علامتی طور پر بھی ہندوستان کی حمایت کا دم بھرنا قبول نہ کیا۔

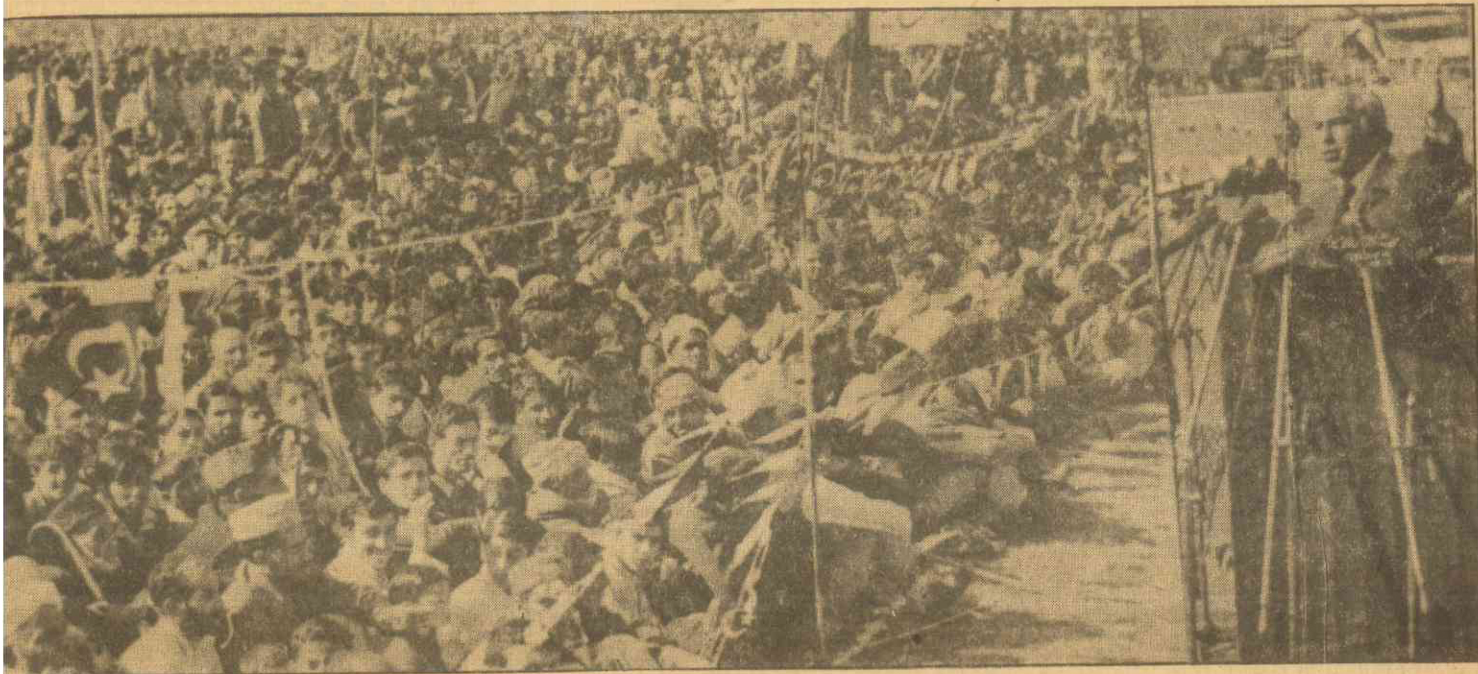
ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں تمام بڑی طاقتوں نے جنگ کے متعلق اپنے اپنے عالمی اندازوں کے مطابق مؤقف اختیار کیا۔ ریاستہائے متحدہ ایک معاہدے کی رو سے پاکستان کی مدد کرنے کا پابند تھا، لیکن مدد بہم پہنچانے کی بجائے اس نے سیٹو اور سینٹو کے معاہدوں میں شریک اپنے رفیق کی فوجی امداد منقطع کر دی اور اقتصادی لین دین پر حکم امتناعی نافذ کر دیا۔ سوویت یونین نے چینی الٹی میٹم سے وحشت زدہ ہو کر اور چین کے ساتھ ایک اور شدید سیاسی اور نظریاتی انقطاع سے ڈرتے ہوئے بڑی سرگرمی کے ساتھ تصادم کے خاتمے کی کوشش کی۔ لڑائی ختم کرانے کی اس کو اتنی فکر دامن گیر تھی کہ اس نے ایک اشتراکی مملکت کی حیثیت سے اپنی تاریخ میں صرف دوسری بار اس پر ہندوستان اور پاکستان کے باہمی جھگڑوں کے حل کے لئے۔ اپنی خدماتِ حسنہ پیش کیں۔ چین کی طرف سے پاکستان کی کھلی حمایت بے مثال تھی، اگرچہ اس کے لئے محکم سیاسی وجوہ موجود تھیں۔ تینوں عالمی طاقتوں نے جو مؤقف اختیار کئے تھے ان کا تعین معاہدات کی رُو سے ان کے تعلقات یا ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ ان کی تھوڑی یا زیادہ ہم آہنگی کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے اپنے عالمی مقاصد کی بنا پر ہوا۔

پاکستان ریاستہائے متحدہ کو دو جہتی یا چند جہتی تعلقات کے زور پر یا باہمی اتفاق مقاصد کے واسطے سے، اپنی حمایت پر لانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ہندوستان اور ریاستہائے متحدہ کے باہمی تعلقات اب بہتر ہیں، لیکن جب ان دونوں ملکوں کے تعلقات آپس میں کشیدہ تھے اور پاکستان اور ریاستہائے متحدہ کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا، تب بھی پاکستان ریاستہائے متحدہ کو اس بات پر آمادہ نہ کر سکا کہ وہ ہندوستان اور ہمارے مابین جھگڑوں کو چکانے کے لئے اپنا اثر و رسوخ کام میں لائے۔ ریاستہائے متحدہ نے اپنے حلیف اور دوست پاکستان کی خاطر ہندوستان پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے سے انکار کر دیا، جو وہ بہر حال استعمال کر سکتا تھا۔ کسی منصفانہ تصفیے کیلئے سنجیدگی سے تحریک نہیں کی گئی۔ مئی ۱۹۶۲ء میں وہائٹ ہاؤس میں ایک خلاصہ بیان کے دوران صدر کینیڈی نے کہا ''کشمیر کے معاملے میں ہندوستان سے متعلق پاکستان کی جانب سے امداد کی درخواست دوسرے قومی مقاصد کے لئے امریکی طاقت کا سہارا لینے کی ایک کوشش ہے''۔ پاکستان اس وقت نہ صرف امریکی مداخلت کا خواہاں تھا بلکہ ریاستہائے متحدہ کے ساتھ تعلقات ہموار رکھنے کے لئے یہ شرط عائد کر رہا تھا کہ وہ جموّں اور کشمیر کے جھگڑے کا تصفیہ کرائے۔ اسی خطرناک راستے پر ہم چل کر دانستہ تو نہیں مگر اتفاقیہ طور پر ہم ایک بے جا سمجھوتے کراتے رہ گئے۔

پھر پاکستان کس طرح اپنے مفادات کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ریاستہائے متحدہ سے دوستانہ تعلقات برقرار رکھ سکتا ہے؟ اس کا مکمل جواب پا لینا تو مشکل ہے۔ لیکن ایک نسبتاً محفوظ حل بڑی حد تک واضح ہے، اور وہ یہ کہ معمول کے مطابق تعلقات استوار کرنے کے لئے پیشگی شرائط کو مسترد کر دیا جائے اور یہ بات بالکل واضح کر دی جائے کہ اپنے قومی مقاصد میں مداخلت کو ہم برداشت نہیں کرینگے۔ ہمیں اختلافی نکات کو سرِ دست بالائے طاق رکھ



وزیر اعظم بھٹو، عرب ریاستوں کے سربراہ شیخ زید سے مصروف گفتگو ہیں۔



# پاکستان میں بیرونی مداخلت تیزی سے بڑھ رہی ہے

دینا چاہیئے اور مشترک مفاہمتوں کی حدود میں تعلقات کو استوار کرنا چاہیئے۔ اگر اس کے باوجود ریاستہائے متحدہ ایک ایسے تصفیئے کو بروئے کار لانے پر اصرار کرسے جو حقِ خود ارادیت کے اصول پر مبنی ہو اور اپنے عالمی سیاسی مقاصد کے لئے ہندوستان اور پاکستان کا تعاون چاہے، تو پاکستان کو سیاسی محاذ آرائی کے لئے تیار رہنا چاہیئے، جو وقت آنے پر ضرور ایک نئی مفاہمت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ ایک مضبوط مؤقف اختیار کرنا اور مختصر عرصے کے لئے مشکلات کا مقابلہ کرنا، دباؤ کے سامنے جھک کر سیلابوں کے بند کھول دینے اور ایک کے بعد دوسرے بحران کو بلانے سے کہیں بہتر ہے۔ ایک نئے تصفیئے تک پہنچ کر، جہاں صدر کینیڈی کے الفاظ میں، امریکی قوت کا سہارا لینے کی ضرورت نہ ہو، ہم اُس ملک کو ایک پریشان کن ذمہ داری سے آزاد کریں گے اور اپنے اہم قومی مفادات کی حفاظت بھی کر سکیں گے۔ اختلافی نکات کو الگ تھلگ کر کے ہم اپنے مقاصد کے لئے پوری پوری کوشش کرنے کے حق سے کسی طرح بھی دستبردار نہیں ہوتے۔ ہمارے پاس اپنے مطالبات کو آگے بڑھانے کے لئے دوسرے ذرائع بھی موجود ہیں۔ جو شاید زیادہ کامیاب ہو سکیں۔ کسی بڑی طاقت کے ساتھ مسلسل حوصلہ شکن تعطل برقرار رکھنے کی بجائے زیادہ دانش مندی یہی ہے کہ اس گرہ کو کاٹ دیا جائے جو گلے کا پھندہ بن کر رہ گئی ہو۔ یوگوسلاویہ نے جموں اور کشمیر کے معاملے میں پاکستان کے مؤقف کی حمایت نہیں کی، پھر بھی اس کے ساتھ ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ ہم نے یوگوسلاویہ کے ساتھ اپنے تعلقات باہمی موافقت کے دائرے میں استوار کئے ہیں اور ہندوستان کے ساتھ اپنے جھگڑوں کے فیصلوں کے لئے اس ملک کی مداخلت کے خواستگار نہیں ہوئے۔ ہم نے غیر ارادی طور پر اس ملک کے ساتھ اپنے باہمی تعلقات میں سے اختلافی نکتہ الگ کر دیا ہے، اور اس طرح ہم سیاسی کشیدگیوں سے بچ گئے ہیں۔ ہم حمایت کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے اور اسے حاصل کرنے کے لئے بالواسطہ کوششیں جاری رکھتے ہوئے بھی اختلافی حدود سے الگ تعلقات بنائے رکھ سکتے ہیں۔

اس طرح ہمیں ہر بڑی اور عالمی طاقت کو جتا دینا چاہیئے کہ پاکستان ان میں سے ہر ایک کے ساتھ الگ الگ دوطرفہ بنیادوں پر ایسے تعلقات رکھنے کے لئے تیار ہے جو وقتی طور پر ناقابلِ حل اختلافات سے بالکل علیحدہ ہوں، بشرطیکہ متعلقہ طاقت بھی ہمارے ملک کے معاملات میں ہمارے مفادات کے خلاف دخل اندازی سے پرہیز کرے۔ وہ ہمارے اندرونی معاملات میں اور جموں وکشمیر کے عوام کی آزادی کیلئے ہماری جدوجہد میں اور ہندوستان کے ساتھ ہمارے جھگڑوں کے منصفانہ تصفیوں میں واقعی عدم مداخلت سے کام لیں تو ہم بھی جواباً ان سے حسبِ معمول مگر محدود طور پر اور پیشگی شرائط کے بغیر تعلقات قائم رکھیں گے۔ اس قسم کا اندازِ نظر معقول اور منطقی بھی ہے اور بالآخر ہمارے مقاصد کے حصول کے رستے میں کم سے کم رکاوٹ کا باعث ہوگا۔ یہ انداز ہمیں تمام مملکتوں کے ساتھ معمول کے مطابق تعلقات قائم رکھنے کا موقع بھی دے گا، اور ہماری اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سرگرم کوشش کے ساتھ ہم آہنگ بھی کیا جا سکے گا۔ یہ ہمیں اپنے جائز مقاصد کے حصول کے لئے معاندانہ غیر ملکی مداخلت کے اندیشے کے بغیر تگ ودو کرنے کی آزادی دے گا۔ ہمیں یہ بھی

**ہماری پالیسی**

**عدم مداخلت**

**اور تمام اقوام**

**کے لئے حقِ**

**خود ارادیت کے**

**نظریہ کے**

**مطابق ہونی چاہئے**



مسٹر بھٹو، اسلامی سیکرٹریٹ کے سیکرٹری جنرل تنکو عبدالرحمان سے راولپنڈی میں گفتگو کر رہے ہیں (۲ نومبر ۱۹۷۳ء)

# تحقیر آمیز سمجھوتہ مستقبل میں منصفانہ تصفیے کے امکانات کم کر دیتا ہے

آزادی ہوگی کہ جو طاقتیں ہماری مخالف یا غیر جانبدار ہیں، ان کے طرزِ عمل میں ہم بالواسطہ ترغیب و اثراندازی کے ذریعے اپنے موافق تبدیلی پیدا کریں۔" معمول کے مطابق تعلقات کے لئے پیشگی شرائط" اور "بغیر پیشگی شرائط کے سعی و ترغیب" میں بنیادی فرق ہے اپنے جھگڑوں کے حل کے لئے مداخلت نہ چاہتے ہوئے بھی دوسرے ملکوں کو صحیح موقف اختیار کرنے کیلئے ترغیب دلانے کی کوششوں سے ہمیں روکا نہیں جائے گا۔ یہ بات کہے بغیر ہی واضح ہے کہ اگر کوئی مملکت بالواسطہ ترغیب یا دوسری وجوہ سے اپنے موقف میں خود ہی تبدیلی پیدا کر لے تو اس مملکت کے ساتھ ہمارے باہمی تعلقات میں بھی ویسا ہی تغیر ہوگا۔

ہمیں اس بات کو واضح طور پر جان لینا چاہیئے کہ کوئی بھی عالمی طاقت اپنی سیاسی حمایت کے ذریعے جموں اور کشمیر کو پاکستان کے حوالے نہیں کروا سکتی۔ البتہ ان کی سرگرم سیاسی مخالفت ہمارے لئے حصولِ مقاصد کو بہت مشکل بنا سکتی ہے۔ اس لئے ہمیں ان مملکتوں کے ساتھ جو غیر جانبدار ہیں یا ہمارے نقطۂ نظر کی مخالف، دوطرفہ تعلقات میں سے باہمی اختلافات کے نکات کو الگ کر کے باہمی آویزش دور کر دینی چاہیئے۔ دوسری طرف ہمیں ان تمام ممالک کے ساتھ اور خاص طور پر ان بڑی اور عالمی طاقتوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو مستحکم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جو جموں اور کشمیر کے جھگڑے میں پاکستان کی غیر مشروط حمایت کریں۔ کسی ملک کی ایسی ترجیحات پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہیں جو پیشگی شرائط کے بغیر اعلیٰ قومی مفاد کی واضح اور معقول بنیاد پر قائم کی گئی ہوں۔ یہ بات سب کی سمجھ میں آئے گی کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ تعلقات کو ٹھوس بنایا جائے جو ہمارے منصفانہ مقاصد میں ہماری حمایت کرتے ہوں۔ اور ان عظیم اور عالمی طاقتوں کے ساتھ تصادم کے نکات کو غیر مؤثر کر دیا جائے جو ہماری منصفانہ جدوجہد کے مخالف ہوں۔ ان ممالک کے ساتھ جو ہمارے حامی ہیں ہمارے مخلصانہ تعلقات خفیہ مقاصد کی طرف منسوب نہیں کئے جائیں گے، اور یہ واضح ہوگا کہ ہم کسی عالمی جھگڑے میں کسی کے حکم کے تابع نہیں، بلکہ برعکس اس کے تمام ممالک کے ساتھ ہمارے تعلقات کی درجہ بندی کی مکمل وضاحت موجود ہے۔ اس طریقے سے ہم تین عالمی طاقتوں کے ساتھ اپنے تعلقات کی بنا پیشگی شرائط کے بغیر ایک معقولیت پسند بنیاد پر اس طرح رکھ سکتے ہیں کہ یہ ان کے مفادات کے خلاف نہ ہو، ہمارے اپنے مفادات کے بالکل موافق ہو اور مداخلت کا اندیشہ بھی نہ ہو۔

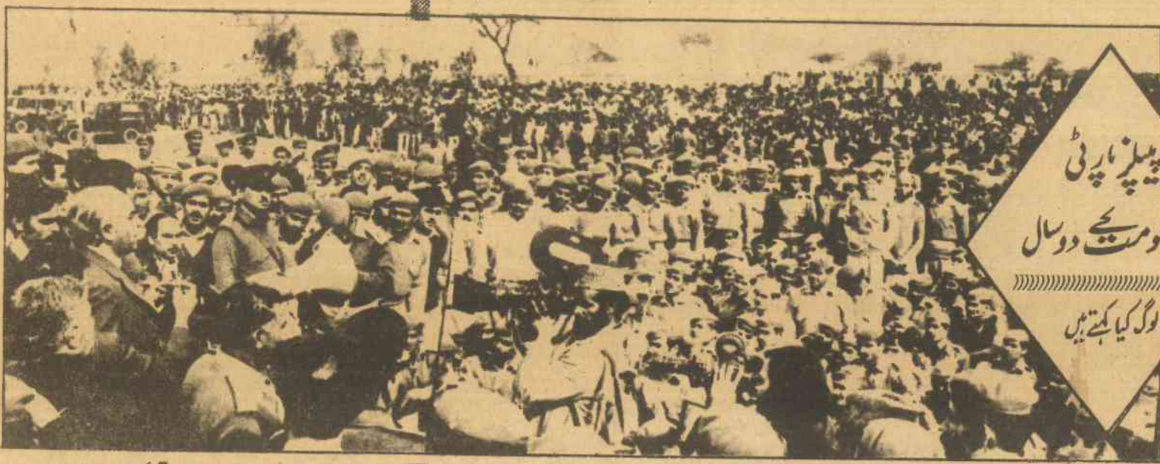
> منصفانہ مقاصد
> کی حمایت
> کرنے والے
> ملکوں سے
> تعلقات مضبوط
> کئے جائیں

زیادہ صراحت کے ساتھ یوں کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے لئے قرینِ مصلحت یہی ہے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ اپنے تنازعات کے سلسلے میں بڑی طاقتوں سے براہِ راست مقابل ہونے سے پرہیز کرے۔ ہمیں ان کے ساتھ معمول کے مطابق تعلقات کیلئے شرائط عائد کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ ہمیں ان کے ساتھ جو ہمارے نقطۂ نظر کے مخالف ہوں یا غیر جانبدار مخلصانہ لیکن محدود تعلقات کے لئے آمادہ رہنا چاہیئے محدود اس لئے کہ ہماری قوم کے لئے بنیادی اہمیت رکھنے والے جھگڑوں کی بابت ان کے موقف مختلف ہیں، لیکن بلاکشیدگی، کیونکہ ہم اختلافات کے باوجود مداخلت کے خدشے کے بغیر، معمول کے مطابق تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں۔ بے فائدہ بحثوں میں الجھنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہم ایسے حالات پیدا کریں جو بڑی طاقتوں کو اپنا موقف فی نفسہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیں۔ یہ ایک دشوار مہم ہے، لیکن ہمارے منصفانہ نقطۂ نظر کی غیر مبہم انداز میں حمایت کرنے والی عظیم اور عالمی طاقتوں نیز ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ترقی پذیر ممالک کے تعاون کو یکجا کر کے ہم اس مہم کو سر کر سکتے ہیں۔ اس کا دارومدار ہماری اپنی حکمت اور عزم پر ہوگا۔

لیجئے ذرا تصویر کے دوسرے رُخ کو بھی دیکھیں اگر ہم اس امر پر اصرار کریں کہ بڑی طاقتیں ہمارے ساتھ تعلقات استوار ہونے سے پہلے ہندوستان سے ہمارے اختلافات میں ہماری حمایت کریں، تو ہم ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ چھوڑیں گے کہ وہ ہمارے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کریں، اور تعلقات قائم کرنے کی غرض سے ہم پر ناخوشگوار فیصلے مسلط کر دیں۔ ایسی پیشگی شرائط سے ہمارے اہم مفادات کو نقصان پہنچے گا، ناقابل برداشت سمجھوتوں کا سلسلہ کھل جائے گا، اور تمام بڑی اور عالمی طاقتوں کے ساتھ ہمارے تعلقات میں منافقت کا رنگ پیدا ہو جائے گا۔

اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے ہماری اپنی کوشش اوّلیں اہمیت رکھتی ہے۔ پھر بھی شاید ہم صرف اس کے بل پر کامیاب نہ ہو سکیں ہمیں بین الاقوامی حمایت کی ضرورت ہے۔ کچھ ہمیں پہلے ہی اوسط درجے کی مملکتوں کی اکثریت کی طرف سے حاصل ہے۔ جو استعماری نظام کے خاتمے اور حق خود ارادیت کی قائل ہیں۔ ہمیں ایشیا کی

باقی صفحہ ۳۱ پر



پیپلز پارٹی کی حکومت کے دو سال

لوگ کیا کہتے ہیں

مہنگائی سے عوام کی مشکلات میں اضافہ

سعیدہ

# منتخب نمائندوں کی حکومت نے

# قیاس آرائیوں کا خاتمہ کر دیا



داؤد



شیر محمد

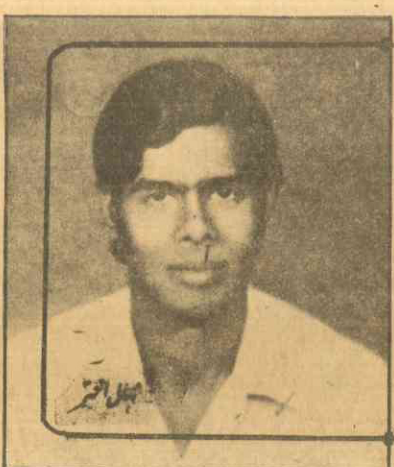
## کارخانہ دار لیبر اصلاحات پر عمل نہیں کر رہے ہیں

**۲۰ دسمبر** ۱۹۷۱ء کو پیپلز پارٹی کے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالا۔ اس طرح ملک پر چھائے ہوئے مایوسی، بے چینی، تذبذب اور شکوک و شبہات کے بادل چھٹ گئے۔ عوام نے اطمینان کا سانس لیا کہ پہلی بار اُن کے منتخب نمائندوں نے اقتدار سنبھال لیا تھا اس سے قبل یہ تاثر عام تھا کہ اب ملک نہیں بچے گا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے عوام میں حد درجہ مایوسی پھیلا دی تھی۔ ہر شخص سوالیہ نشان بنا ہوا تھا، اب کیا ہوگا۔ ملک رہے گا یا ختم ہو جائے گا۔ تیرانوے ہزار پاکستانی جنگی قیدیوں کا کیا ہوگا۔ یحییٰ خاں اقتدار سے چمٹا رہے گا تو بچا کھچا ملک بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا معاشرے کے ہر طبقہ میں اس قسم کی قیاس آرائیاں جاری تھیں۔ ہر شخص دوسرے سے یہی سوال کر رہا تھا اب کیا ہوگا، اگر خدانخواستہ پاکستان ختم ہو گیا تو ہم کہاں جائیں گے۔؟ جس ملک کے قیام اور تعمیر میں اتنی قربانیاں دی گئیں کیا وہ ملک مٹھی بھر افراد کی عیاشیوں کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔؟

ان معروضی حالات میں جب کہ عوام کا فرسٹیشن عروج پر تھا، پیپلز پارٹی کو اقتدار سونپ دیا گیا۔ جو مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی ہے۔ پارٹی کے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو نے بحیثیت صدر حلف اٹھایا اور اپنی پہلی نشری تقریر میں عوام کا مورال بلند کرتے ہوئے کہا کہ مایوسی کے دن ختم ہو گئے۔ ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے، تنکے تنکے چن کر نئے پاکستان کی تعمیر کی جائے گی۔ ملک سے بھوک، جہالت، غربت کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ مزدوروں اور کسانوں اور عام شہری کے اقتصادی حالات بہتر بنائے جائیں گے لوٹ کھسوٹ کے نظام کو مسمار کر دیا جائے گا۔ مستقبل کا پاکستان، آزاد، خوشحال اور مضبوط ہوگا"۔ یہ نئے دور کا پیغام تھا۔ عوام میں نیا ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا لوگ نئے عزم سے تنکے تنکے جوڑ کر پاکستان کی تعمیر میں جٹ گئے۔

لیکن پیپلز پارٹی کے دو سالہ دورِ حکومت میں یقیناً عوام کے سارے خواب پورے نہ ہوئے موجودہ حکومت کو ۲۵ سالہ تاریک دور کی مایوسیاں، گھٹن، بدعنوانیاں اور سیاسی افراتفری، ورثے میں ملی تھی۔ ماضی کی تمام برائیوں کا خاتمہ اور اچھائیوں کو یک لخت جنم دینا، کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ پھر حکومت کی اپنی کوتاہیاں بھی شامل رہی ہیں۔ وزراء کی ٹیم میں نا اہل افراد کو بھی شامل کیا گیا، پیپلز پارٹی کو حکومت کے تابع کر دیا گیا۔ وزراء بیک وقت حکومت اور پارٹی کے عہدوں سے چمٹے

# حزبِ اختلاف نے مؤثر کردار ادا نہیں کیا!




رہے۔ سارے کام مسٹر بھٹو انجام نہیں دے سکتے تھے، وہ اہم قومی اور بین الاقوامی گتھیاں سلجھانے میں مصروف رہے اور وزراء کی ٹیم، یقیناً ان میں اچھے ایماندار اور مخلص وزیر بھی موجود ہیں، جنہوں نے اپنی بساط بھر عوام کی خدمت کی اور لوگوں کے مسائل حل کرنے کی جانب مقدور بھر توجہ دی، اپنی من مانی میں مصروف رہی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن اہم اور سنگین مسائل کو حل ہونا چاہیئے تھا وہ اور زیادہ پیچیدہ ہو گئے عوام کی مشکلات بڑھ گئیں۔ اس دوران پیپلز پارٹی جو ایک بڑی، جمہوری اور منظم پارٹی کی حیثیت سے اُبھری تھی، عوام میں اپنی ساکھ کھو بیٹھی، عوام سے اس کا رابطہ ختم ہو گیا۔ اور بدقسمتی سے عوام کے مختلف طبقوں سے بننے والی پارٹی ان طبقات سے کٹ کر رہ گئی پارٹی کے عہدیدار شہریوں سے رابطہ قائم کرنے کی بجائے وزراء کے گھروں کے دروازے پر چوکیداری کے فرائض انجام دینے لگے، اس طرح حکومت نے اپنے دوسالہ دور میں جو اچھے کام کئے تھے۔ عوام کو ان سے بھی پوری طرح روشناس نہیں کرایا گیا۔ عوام کی مشکلات اور حکومت کی الجھنوں سے نوکر شاہی، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو دوبارہ فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا۔ کارخانوں میں مزدوروں کی چھانٹی اور کھیتوں میں ہاریوں اور کسانوں کی جبری بے دخلی کی شرح نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔ پولیس اور نوکر شاہی نے حساس اور مظلوم طبقات کے مسائل کو لاٹھی، گولی اور آنسو گیس کے شیلوں سے حل کرنے کا موقع نکال لیا۔ اسمگلنگ، منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی کے سبب اشیاء صرف کی قیمتیں آسمان پر پہنچ گئیں۔ بسوں کے کرایہ میں اضافہ نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ اس معاملہ میں بھی وزیر اعظم بھٹو کو مداخلت کرنی پڑی۔ اس طرح حکومت نے اپنے دوسالہ اقتدار کے دوران جو اہم اور نمایاں اصلاحات نافذ کی تھیں سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوکر شاہی کی سازشوں سے گمنام رہ گئیں۔

پیپلز پارٹی کے دوسالہ دور کے بارے میں معاشرے کے مختلف طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ان کے تاثرات معلوم کئے گئے ہیں، جو نیچے درج کئے جا رہے ہیں۔

ایک مقامی کالج کے استاد عظیم الدین بیگ نے بتایا کہ حکومت نے تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لیکر ایک اچھا قدم اٹھایا ہے۔ اس سے قبل اساتذہ اپنے روزگار کے سلسلے میں تذبذب اور پریشانی کا شکار رہتے تھے۔ پرائیویٹ انتظامیہ ان کے ساتھ حیوانوں جیسا سلوک کرتی تھی، ملازمتوں کا کوئی بھروسہ نہ تھا۔ کم تنخواہ دے کر رجسٹر پر زیادہ تنخواہ دکھائی جاتی تھی۔ اگر کوئی استاد احتجاج کرتا تو اسے ملازمت سے نکال دیا جاتا۔ قومی تحویل میں آنے کے بعد اساتذہ کو روزگار کا تحفظ حاصل ہو گیا۔ گو ان کی حیثیت ایک سرکاری ملازم کی رہ گئی اور سرکاری ملازم کی حیثیت سے ان پر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ تاہم معاشی تحفظ کا وسیلہ نکل آیا، جو ماضی میں ناپید تھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر حکومت اس اہم کام کو مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ انجام دیتی تو تعلیمی اصلاحات کے بعد جو اہم اور سنگین مسائل پیدا ہوئے، وہ نہ ہوتے۔ اساتذہ اور طلباً دونوں کے مسائل ختم ہو جاتے۔ لیکن اس میں اتنی جلد بازی کی گئی کہ تعلیمی اصلاحات سے وہ فائدہ نہ پہنچ سکا، جس کا امکان تھا۔ انہوں نے میٹرک تک تعلیم مفت کرنے کے اقدام کی بے حد تعریف کرتے ہوئے کہا کہ یہ یقیناً ایک انقلابی قدم ہے، حکومت نے جو اچھے کام کئے ہیں اس کی تعریف میں ہمیں بخل سے کام نہیں لینا چاہیئے۔"

**دو سال کے دوران حکومت نے ہر شعبہ میں قابل قدر اصلاحات نافذ کیں**

محمد راشد محمود آباد میں رہتے ہیں، وہ ایک مقامی پریس میں بائنڈنگ کا کام کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ عوامی حکومت کے آنے سے قبل کارخانوں میں کینٹینوں کی حالت خراب رہتی تھی۔ گندے گلاسوں میں پانی دیا جاتا تھا، کھانے کی چیزیں بھی اچھی نہ ہوتی تھیں، لیکن اب کینٹینوں کی حالت بہتر ہو گئی ہے، گلاس اور برتن صاف ستھرے رہتے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں میں بھی صفائی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ پہلے مزدوروں کی کوئی عزت نہ تھی، اب ان کی عزت ہونے لگی ہے۔ انہوں نے شکوہ کیا کہ پریس میں بائنڈنگ کا کام ٹھیکیداری سسٹم کے تحت ہوتا ہے، جس سے مزدوروں کو مناسب اُجرت نہیں ملتی۔ ٹھیکیدار خون چوستا ہے۔ مزدوروں کو روزانہ چار پانچ روپے اُجرت ملتی ہے، روزگار کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا، ٹھیکیدار جب چاہے بائنڈر کو کان پکڑ کر نکال دیتا ہے، ہفتہ واری چھٹی نہیں ملتی، اگر بائنڈر بیمار پڑ جائے تو اس کی دوسرے دن چھٹی کر دی جاتی ہے، حکومت نے بائنڈروں کے لئے کچھ نہیں کیا۔

انہوں نے بتایا۔ "مہنگائی سے عام لوگوں کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ بازار میں آج یہ چیز غائب ہو جاتی ہے کل دوسری چیز، ہر چیز کی قیمت آسمان سے باتیں کر رہی ہے، جس کی وجہ سے ہم جیسے غریبوں کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔ حکومت اگر چوربازاری کرنے والوں اور منافع خوروں کو سرِعام کوڑے لگائے تو قیمتیں معمول کی سطح پر آجائیں گی۔ حکومت کی ڈھیل کی وجہ سے یہ لوگ شیر بن گئے ہیں۔ انہوں نے مہنگائی کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک تجویز پیش کی۔ لوگوں کی اُجرتوں میں اضافہ کیا جائے۔ اگر اُجرتوں میں اضافہ کر دیا جائے تو مزدور اور ہم جیسے لوگ اتنے پریشان نہ ہوں گے۔ اُنہوں نے کہا کہ بھٹو صاحب ملک کو مشکلات سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن راشی اور

بدعنوان افسران ان پر پانی پھیر دیتے ہیں"۔

شیر محمد ٹیلر ماسٹر ہیں۔ اپنی چھوٹی سی دکان پر دن بھر بڑی محنت سے کام کرتے ہیں جس سے انکے کنبہ کی اقتصادی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ انہوں نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا "حکومت نے دو سال کے دوران یقیناً اچھے کام کئے ہیں لیکن بڑھتی ہوئی مہنگائی کے سبب اچھے کام دب کر رہ گئے ملک کے جو حالات ہیں اس میں تھوڑی بہت مہنگائی تو ضرور ہوتی، لیکن یہاں تو ہر چیز کی قیمتوں میں پچاس سے لے کر سو گنا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس میں گراں فروشوں اور منافع خوروں کا زیادہ ہاتھ ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ عوام کے منتخب نمائندوں کی حکومت ہے۔ نمائندوں کو عوام سے قریبی رابطہ رکھنا چاہیئے تاکہ عوام جو کچھ سوچتے ہیں اور چاہتے ہیں انہیں معلوم ہو سکے، اور اسی کے مطابق اپنی پالیسی تیار کریں۔ بسوں کے کرایہ میں اضافے سے نواحی علاقوں کے غریب طبقہ کی مشکلات مزید بڑھ گئیں۔ اگر ہر ٹکٹ پر پانچ پیسے اضافہ کر دیا جاتا تو عوام آسانی سے قبول کر لیتے۔ انہوں نے کہا کہ کپڑے اور اشیاء کی مہنگائی کے سبب ان کا روزگار بھی متاثر ہوا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس ملک میں جمہوریت کو ہر قیمت پر پھلنا پھولنا چاہیئے۔

داؤد جو ایک سلک ملز میں ملازمت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ حکومت نے جو لیبر اصلاحات نافذ کی ہیں، اس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ اس کے تحت پہلی بار مزدوروں کی تنخواہ مقرر کی گئی۔ گو ابھی متعدد کارخانوں میں اس پر اور لیبر اصلاحات کے دوسرے قوانین پر مکمل طور سے عمل درآمد نہیں ہو رہا ہے، تاہم حکومت نے اچھے کام کی ابتدا کی ہے، اب یہ بات بھی حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اس پر مکمل عملدرآمد کرائے۔ انہوں نے حزب اختلاف کی نکتہ چینی کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ماضی میں انہی کے بھائی بند اقتدار میں رہے، آخر ان لوگوں نے آج تک عوام کے لئے کیا کیا، جو یہ آج حکومت کے بعض اچھے کاموں میں بھی برائی کا پہلو نکال لیتے ہیں۔ یہ لوگ اقتدار کے بھوکے ہیں اور کسی نہ کسی طرح موجودہ حکومت کو ہٹا کر اس کی جگہ لینا چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ تشدد کے ذریعے حکومت کو ہٹانے میں کامیاب ہو گئے تو یقین کیجئے، اس ملک میں پھر کبھی جمہوریت نہیں آئے گی۔ اپوزیشن کے لوگ یہی چاہتے ہیں"۔

**پیپلز پارٹی**

**عوام سے**

**موثر رابطہ**

**قائم کرنے**

**میں ناکام رہی**

اُنہوں نے کہا کہ حکومت کو چاہیئے کہ وہ سب سے زیادہ لیبر اور زرعی اصلاحات پر عمل درآمد کرانے میں دلچسپی لے۔ کیونکہ ملک کا اکثریتی طبقہ انہی دو طبقوں سے منسلک ہے۔ اور انہی لوگوں سے زیادہ ناانصافی کی گئی ہے۔ سرمایہ دار اور جاگیردار ان دونوں اصلاحات کو مکمل طور پر ناکام بنانے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ وہ جان بوجھ کر مزدوروں اور ہاریوں کو بے روزگار کر کے ملک میں بے چینی اور بے اطمینانی پھیلا رہے ہیں"۔

انٹر سائنس کے اسٹوڈنٹ نہال اختر نے اپنے تاثرات میں کہا۔ "تعلیمی اصلاحات حکومت کا ایک قابل قدر کارنامہ ہے، تاہم طلباء کے بعض اہم مسائل ایسے ہیں جن پر ابھی تک توجہ نہیں دی گئی، یا ان مسائل کو جان بوجھ کر مزید الجھا دیا گیا جس سے طلباء میں بے چینی اور بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی داخلوں کے سیدھے سادہ مسئلے کو اس قدر پیچیدہ بنایا گیا کہ طلباء سڑکوں پر نکل آئے انہوں نے کہا کہ تعلیمی اصلاحات سے ایک بڑا فائدہ تو یہ ہوا کہ میٹرک تک تعلیم مفت ہو گئی، اور مستقبل میں یہ امکان پیدا ہو گیا کہ غریب طبقہ سے تعلق رکھنے والے طلباء جو تعلیمی سہولت سے محروم تھے اب وہ بھی تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ انہوں نے کہا کہ داخلوں کے سلسلے میں مشرقی پاکستان کے طلباء کو بڑی مشکلات کا سامنا ہے جبکہ حکومت نے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ مشرقی پاکستان کے طلباء کو بہت سی مراعات دی جائیں گی لیکن عملی طور پر اس اعلان پر عمل نہیں کیا جا رہا ہے۔ جس سے لٹے پٹے قافلے کی شکل میں آنے والے مشرقی پاکستان کے طلباء ایک کالج سے دوسرے کالج کا دروازہ کھٹکھٹاتے پھر رہے ہیں، لیکن ان کی کوئی شنوائی نہیں ہو رہی ہے"۔

اُنہوں نے کہا کہ طلباء کی اکثریت نچلے اور درمیانہ طبقہ سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے ملک کی سیاسی، اقتصادی اور سماجی حالات میں جو تبدیلیاں آئی ہیں اسکا اثر لازمی طور پر ان طلباء پر بھی پڑتا ہے۔ طلبا کی اکثریت بے مقصد ہنگامہ آرائی کو پسند نہیں کرتی، نہ ہی حکومت سے بلاوجہ محاذ آرائی چاہتی ہے، تاہم وہ اتنا ضرور چاہتی ہے کہ حکومت مظلوم طبقات کے مسائل بلاتاخیر حل کرے، تاکہ طلباء اطمینان کے ساتھ اپنی تعلیم پر توجہ دیں"۔

احمد ریاض جو ایک مقامی کمپنی میں اکاؤنٹس کلرک ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت اہم مسئلہ یہ ہے کہ جمہوریت کے پودے کو ہر قیمت پر پروان چڑھایا جائے اگر ہم نے اپنا یہ فرض پورا نہ کیا تو اس ملک پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ بھونچال آ جائے گا۔ اپوزیشن کو اپنے منشور اور اصولوں کے مطابق کام کرنے کا موقع ملنا چاہیئے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعض عناصر اس کی آڑ میں ملک اور قوم کی قسمت سے کھیلنا شروع کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے بعض اوقات اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے، لیکن دوسری جانب حزب اختلاف نے بھی حکومت کو بدنام کرنے یا اسے اقتدار سے ہٹانے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی"۔

انہوں نے کہا کہ "حکومت اپنے دو سالہ دورِ اقتدار میں لیبر اصلاحات، زرعی اصلاحات، تعلیمی اصلاحات، قانونی اصلاحات نافذ کیں، جن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حکومت نے ان پر عملدرآمد کرانے کے لئے سختی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے ان اصلاحات پر پوری طرح عمل نہیں کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان اصلاحات سے عوام کو جتنا فائدہ پہنچنا چاہیئے تھا، نہیں پہنچا"۔

## جمہوری اقدار کو ہر قیمت پر پھلنا پھولنا چاہئے

## پیپلز پارٹی کی حکومت کے دو سال - طلبا کی نظر میں

پاکستان میں عوام کی پہلی منتخب حکومت کے دو سال مکمل ہو گئے ہیں۔ حکومت نے مختلف شعبوں کی کارکردگی بڑھانے کے لئے اصلاحات نافذ کی تھیں۔ تعلیمی اصلاحات اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ ہم نے تعلیمی اصلاحات کے نتائج پر طلبا کی رائے معلوم کرنے کے لئے درج ذیل سوالات مختلف طلبا انجمنوں کے سامنے رکھے:۔

۱ پچھلے دو سال میں حکومت نے تعلیمی میدان میں جو اقدامات کئے ہیں آپ اُن کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟

۲ کیا ان اقدامات سے آپ کے مسائل میں کمی ہوئی ہے یا نہیں؟

۳ وہ کون سے مسائل ہیں جو موجودہ اقدامات سے وجود میں آئے؟

۴ آپ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے کیا تجاویز رکھتے ہیں؟

۵ وہ کون سے مسائل ہیں جو تعلیمی اصلاحات کے احاطے سے باہر رہ گئے ہیں؟

۶ آپ کے نزدیک تعلیمی اصلاحات کی مکمل کامیابی میں کونسی چیز رکاوٹ بنی ہوئی ہے؟



عبدالشکور یمین



فیاض محمود

تحریر • انور عاقل

# اہم اور ضروری کتابوں کی قلت دور نہیں کی گئی

## تعلیمی اداروں کو خود مختار بنایا جائے



طلبا کے مسائل

پنجابی میڈیکوز آرگنائزیشن کے صدر مسٹر فیاض محمود نے جواب دیا۔ مفت تعلیم طلبا کا ایک دیرینہ مطالبہ تھا جسے حکومت نے منظور کیا ہے۔ ہم اس پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ حکومت نے غیر ملکی کتابوں کو ملک میں چھاپنے کے سلسلے میں اچھا قدم اٹھایا ہے۔ چنانچہ اس فیصلے کی روشنی میں کتابیں بھی چھپیں لیکن ہمیں اس بات پر شکایت ہے کہ اہم اور ضروری کتابوں کو نہیں چھاپا گیا۔ بلکہ غیر ضروری کتابیں بازار میں آگئی ہیں۔ اس وجہ سے صورتحال پر کوئی اثر نہیں پڑ سکا۔

اُن کا کہنا ہے کہ مجھے تعلیمی اداروں کو قومیانے کی پالیسی پر اعتراض ہے اس لئے کہ اس طرح اساتذہ کی آزادی سلب کر لی گئی ہے اور اُنہیں ذہنی غلام بنا لیا گیا ہے۔ اب وہ پہلے کی طرح اپنے مسائل نہ اٹھا سکیں گے کیونکہ اُن پر معطلی اور برطرفی کی تلوار لٹکتی رہے گی اس کے علاوہ اب اساتذہ کو طلبا کی جدوجہد روکنے کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

۲۔ اُن کا خیال ہے کہ تعلیمی اصلاحات سے طلبا کے مسائل میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے۔ اور اس کے مثبت نتائج ابھی تک سامنے نہیں آئے ہیں۔

۳۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اساتذہ کو ذہنی غلام بنا لیا گیا ہے۔ انہیں اپنا مدعا بیان کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے اس کے علاوہ وہ طلبا کی جدوجہد کو سبوتاژ کرنے میں اہم کردار انجام دیں گے۔

۴۔ تعلیمی اداروں کو خود مختار بنایا جائے اور حکومت انتظامیہ کے علاوہ کسی اور شعبے میں مداخلت نہ کرے یعنی وہ انتظامی کارروائی معمول کے مطابق کرے لیکن انتقام کا شکار نہ بنائے۔

۵۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ تعلیمی اصلاحات میں دیہی علاقوں کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ دیہی علاقوں میں تعلیمی سہولتیں عام کی جانی چاہئیں، تاکہ وہاں کے لوگوں میں شہری آبادی کی طرح اپنی حالت کو بدلنے کا شعور پیدا ہو سکے اور وہ دنیا کے حالات سے باخبر ہو سکیں طریقہ امتحانات کے متعلق بھی کوئی واضح قدم نہیں اٹھایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک انتہائی فرسودہ طریقہ ہے جس سے قابلیت کا اندازہ صحیح طور پر معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ اس نظام میں قابلیت کا معیار رٹنا ہے۔ اس سلسلے میں سمسٹر سسٹم کو یونیورسٹی کی سطح سے اٹھا کر نچلے درجے پر لانا چاہیئے۔

۶۔ میرے نزدیک تعلیمی اصلاحات کی مکمل کامیابی میں سب سے بڑی رکاوٹ وزرا ہیں۔ کیونکہ اساتذہ کا تقرر ہو یا کسی طالبعلم کے داخلے کی بات، وزیر کی سفارش ایسے کام بخوبی انجام دیتی ہے۔ اس طرح معیارِ تعلیم گرتا ہے اور جب ایسے لوگ تعلیمی اداروں سے باہر آتے ہیں تو نتیجہ ظاہر ہے کہ کیا ہوگا۔

جہاں زیب بلوچ، بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے صدر نے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل جوابات دیئے۔

۱۔ میں دسویں تک مفت تعلیم اور کالجز کے قومیانے جانے کو حکومت کا ایک مستحسن اقدام قرار دیتا ہوں۔ لیکن یہ اقدام اُس وقت مثبت ثابت ہوتے، جب حکومت غیر جانبدارانہ انداز میں ان پر عمل کرتی۔ ان اقدامات کو پورے ملک میں بروئے کار نہیں لایا گیا۔ افسوس یہ ہے کہ بلوچستان اور سرحد میں پرانی صورتحال برقرار رہی اور اُس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

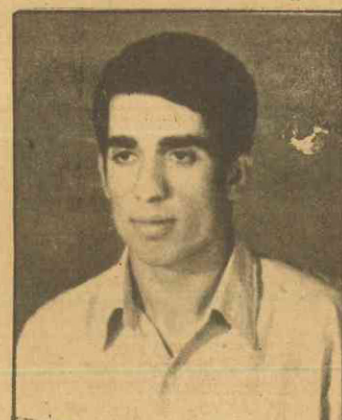
۲۔ جیسا کہ میں نے آپ سے کہا کہ ہمارے ہاں پرانی صورتحال برقرار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے مسائل بھی جوں کے توں ہیں۔ اس کے علاوہ مہنگائی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ جبکہ وسائل وہی ہیں چنانچہ ایسی صورت میں مسائل میں اضافہ لازمی ہے۔

۳۔ بہت سے مسائل پیدا ہوئے ہیں جن میں اساتذہ کا مسئلہ، تعلیمی اداروں میں حکومتی مداخلت کا مسئلہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اساتذہ کے بارے میں یہ ہے کہ حکومت انہیں اپنا مطیع بنانا چاہتی ہے تاکہ انہیں اپنے مفادات کے لئے استعمال کر سکے۔ اس کے علاوہ اساتذہ میں یہ خیال ہو چلا ہے کہ اب ہمیں تنخواہ تو پہلی تاریخ کو مل ہی جاتی ہے چنانچہ وہ پڑھانے میں زیادہ دلچسپی کا اظہار بھی نہیں کرتے۔ اس طرح معیارِ تعلیم روز بروز گرنے لگا ہے۔

اُن کا کہنا ہے کہ قابلیت کی کوئی قدر نہیں۔ اسلئے اب آپ سوچئے کہ اگر کسی عمارت کی بنیاد ہی اچھی نہ ہو تو اُسے چاہے کتنا ہی بلند کر دیا جائے لیکن اُس کا مقدر ٹوٹنا پھوٹنا ہی ہوگا۔ چنانچہ آج کے "طالب علم" جب کل عملی زندگی میں قدم رکھیں گے تو قوم کی ترقی کیا ہوگی ـ؟

۴۔ تعلیمی اداروں کو خود مختار بنایا جائے اساتذہ کے تقرر کا معاملہ ہو یا طالب علموں کے داخلوں کا، قابلیت ہر چیز پر مقدم ہونی چاہیئے۔ اس کے علاوہ حکومت کو چاہیئے کہ درس و تدریس کے پیشے میں دلچسپی پیدا کرے اور ایسی سہولتیں دے کہ اساتذہ پڑھانے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کریں۔

۵۔ فیاض صاحب کی طرح جہاں زیب کا بھی یہ خیال ہے کہ حکومت نے دیہی علاقوں کے لئے کوئی بہتر پروگرام پیش نہیں کیا۔ اُن کا کہنا ہے کہ دیہی علاقوں کے طالب علموں کو گھر کا کام کرنے کے ساتھ کھیتوں میں بھی کام کرنا پڑتا ہے۔ بجلی اور ٹرانسپورٹ کی سہولتیں بھی نہیں ہیں۔ اسکول جانے کے لئے کئی میل پیدل



حسین خان مندوخیل

چلنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں وقت کی کمی لازمی بات ہے۔ ایسی صورتحال کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر جگہ اسکول قائم کئے جائیں لیکن نام کے ساتھ ساتھ کام کے بھی ہوں۔ کالجز جانے کے لئے ٹرانسپورٹ مہیا کی جائے۔ اس کے علاوہ مختلف پیشہ ور کالجز میں بلوچستان کے لئے کوٹہ مقرر کیا جانا چاہیئے۔ اُنکا کہنا ہے کہ دیہی علاقوں کے لڑکے بھی بھرپور صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں لیکن حالات اور ماحول اُن کی، صلاحیتوں کو زنگ لگا دیتے ہیں۔ بلوچستان اور سرحد کے میڈیکل کالجز کے حالات بہت دگرگوں ہیں اور اُن میں پڑھنا قیمتی سالوں کا ضیاع ہے۔ لیکن حکومت ابھی تک انہیں بہتر بنانے کے اقدامات نہیں کر رہی ہے۔

جہاں زیب کا کہنا ہے کہ طالب علم ساتھیوں کو مختلف صوبوں کے کالجز میں بھیجنا چاہیئے تاکہ آپس کے تبادلے سے تعصب کا خاتمہ ہو اور ہم میں یکجہتی کی اسپرٹ پیدا ہو سکے۔

۶۔ جہاں زیب بلوچ اس سوال کے جواب میں فیاض محمود سے بالکل متفق ہیں۔

# وزرا اور نوکر شاہی کی سفارشوں نے تعلیمی اصلاحات کو سبوتاژ کر دیا!!

غفور کاسی، نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ اِس ضمن میں اُن کے خیالات ملاحظہ کیجئے:۔

۱۔ موجودہ نظام میں، تعلیمی اصلاحات سے خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا ہے۔ استحصالی نظام میں اصلاحات عوام کی انقلابی تحریک کو سست کرنے میں کام آتی ہیں۔ اور کچھ مراعات دے کر عوام کو رام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ وقتی طور پر تو یہ مسائل اصلاحات کی دھواں دھاری میں چھپ جاتے ہیں لیکن پھر مزید شدت سے ابھرتے ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ طالب علم اور عوام وقفہ وقفہ سے احتجاج کر رہے ہیں۔

۲۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے مسائل میں کمی ہوئی ہے بلکہ نہ حل ہونے والے مسائل نے جنم لیا ہے۔

۳۔ جب استحصالی نظام میں کسی چیز کو قومیایا جاتا ہے تو اس کا مقصود عوام کا فائدہ نہیں بلکہ حکمران طبقے کا اپنا مفاد ہوتا ہے۔ چنانچہ مسائل حل ہونے کی بجائے بڑھ جاتے ہیں۔ اس کی مثال اردو کالج کے جمال نقوی اور سر سید گرلز کالج کی سلمیٰ زمن ہیں۔ اساتذہ کے لئے ایک کوٹہ مقرر کیا گیا ہے جس کے تحت ۳۰ فیصد اساتذہ کے لئے ترقی کی بنیاد سینیارٹی ہوگی، جبکہ



جہاں زیب بلوچ

باقی اساتذہ کو حکومت نامزد کرے گی۔ یونیورسٹی آرڈیننس کے تحت ممبرانِ اسمبلی کو سنڈیکیٹ میں نمائندگی دی گئی ہے جو قطعاً نامناسب ہے۔ طلبا کو قومیانے گئے کالجز اور اسکولز میں، سامان اور اساتذہ کی کمی کا گلہ ہے۔

۴۔ کوئی شخص جو طبقاتی سوچ رکھتا ہے اُس کے نزدیک یہ مسائل حل نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ موجودہ ڈھانچہ قائم ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ڈھانچہ کو ختم کیا جائے، اُس وقت عوام کی خواہشات کے مطابق سستی تعلیم ہو سکتی ہے۔

۵۔ حکومت نے مسائل کا احاطہ تو کیا ہے۔ لیکن مسائل جوں کے توں رہے ہیں۔ بلکہ اِن اقدامات سے مزید مسائل پیدا ہوئے ہیں جن کا میں نے شروع میں

## تعلیمی اداروں کو قومیانے کی پالیسی اور نیشنل بک فاؤنڈیشن کا قیام - ایک مثبت اقدام

# طلبا ڈگریاں لئے پھرتے ہیں لیکن روزگار نہیں ملتا

ذکر کیا ہے۔

۶۔ تعلیمی اصلاحات کی مکمل کامیابی میں استحصالی نظام سب سے بڑی رکاوٹ ہے جسے ختم کئے بغیر ہم اچھے نتائج کی توقع نہیں کر سکتے۔

حسن خان مندوخیل، پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی مرکزی ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہیں۔ اُن سے جب اِس مسئلے پر بات چیت ہوئی تو اُنہوں نے کہا۔

۱۔ استحصالی نظام جب اپنے خاتمے کو پہنچتا ہے تو اس نظام کو برقرار رکھنے والے ایک طرف تو ظلم و تشدد کی انتہا کر دیتے ہیں اور دوسری طرف اصلاحات کے نام پر مظلوم طبقات کی حمایت حاصل کر کے انقلابی تحریک کو سبوتاژ کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔

۲۔ میرے نزدیک اصلاحات سے مسائل حل ہونا تو کجا مزید مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔

۳۔ تعلیمی اداروں کا قومیایا جانا ایک بہترین اصلاحی کام ہے۔ لیکن دوسری طرف حکومت کو براہِ راست مداخلت کرنے کا جواز مل گیا ہے۔ یونیورسٹی کی سطح پر سمسٹر نظام نافذ کیا جا رہا ہے۔ ہم 'طلبا' اس ملک کا باشعور طبقہ ہیں۔ اس لئے سیاست میں حصہ لینا، معاشی نظام کو تبدیل کرنے کی جدوجہد کرنا اور عوام کو طبقاتی شعور سے مسلح کرنے کا فرض ہمارا ہے۔ لیکن سمسٹر نظام کی بدولت طلبا مصروف رہیں گے اور ظلم کے نظام کو ختم کرنے کی جدوجہد سے دور رہیں گے۔

**سمسٹر سسٹم کو اسکولوں اور کالجوں میں بھی رائج کیا جائے**

میٹرک تک تعلیم مفت سے درمیانی طبقے کو تو فائدہ پہنچا ہے لیکن مزدور اور کسان طبقے کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا ہے کیونکہ وہ آج بھی اپنے خاندان کی کفالت کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ اگر لوگ تعلیم حاصل کر بھی لیتے ہیں تو روزگار کے حصول کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ بیروزگاروں سے صورتحال مزید خراب ہوگی۔

۴۔ مسائل کا حل صرف اُسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ موجودہ نظام کو ختم کیا جائے اور ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں ہر شخص کو بنیادی ضروریات میسّر ہوں۔

۵۔ حکومت نے تعلیمی اصلاحات میں مسائل کا احاطہ کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ لیکن مسئلہ عملی جامہ پہنانے کا تھا اور ہے۔

۶۔ موجودہ نظام کا خاتمہ کیا جائے۔

سندھی میڈیکوز ایسوسی ایشن کے جنرل سیکریٹری عبدالشکور سے جب اس سلسلے میں تبادلۂ خیال ہوا تو انہوں نے مندرجہ ذیل جوابات دیئے۔

۱۔ پچھلے دو سال میں حکومت نے جو تعلیمی اقدامات کئے ہیں وہ پچھلی حکومتوں کے مقابلے میں حد درجہ بہتر ہیں۔ مگر تعلیم کے میدان میں مزید اصلاحات کی ضرورت ہے۔ حکومت کی پالیسی کی خاص بات تعلیمی اداروں کو قومیانا اور نیشنل بک فاؤنڈیشن کا قیام ہے۔ جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

حکومت نے تعلیم بالغاں شروع کر کے ایک اچھا قدم اٹھایا ہے۔ لیکن اس کو جس طریقے پر عمل میں لایا گیا ہے وہ مطمئن نہیں کر سکا ہے۔ مزید یہ کہ حکومت نے دیہاتی علاقوں کے لئے پروفیشنل کالجز میں نشستیں محفوظ کی ہیں اس فیصلے سے پاکستان کے ۸۰ فیصد دیہی آبادی کو اپنا حق ملا ہے۔

۲۔ مسائل صرف اصلاحات کی بنا پر نہیں بڑھے ہیں بلکہ اس میں ہم سب کا ہاتھ ہے۔ مثلاً ایک مطالبہ ہے کہ پروفیشنل کالجز میں نشستیں بڑھائی جائیں۔ اگر ایسا کیا جائے تو اسٹاف اور تجربہ گاہوں کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔

۳۔ معیارِ تعلیم گر گیا ہے۔ کالجز اور اسکولز میں اسٹاف، تجربہ گاہوں کے سامان میں کمی ہو گئی۔ کتابیں کم اور مہنگی ہیں۔ اساتذہ میں بے چینی پائی جاتی ہے۔ خاص طور پر قومیائے گئے تعلیمی اداروں میں، تعلیمی مراکز کی انتظامیہ بہت کمزور واقع ہوئی ہے۔

۴۔ یہ کوئی اتنے بڑے مسائل نہیں ہیں کہ جنھیں حل نہ کیا جا سکے۔

۵۔ دیہی علاقوں کے لئے نشستوں کا تعین آبادی کی بنیاد پر صحیح طور پر ہونا چاہیئے، جو اب تک نہ ہو سکا ہے۔ دیہی علاقوں کی نشستوں کو مزدوروں اور کسانوں کی اولاد کے لئے مقرر کر دیا جائے تو یہ اور بھی اچھا ہوگا۔ ایسے طالب علموں کو اسکالر شپ بھی دیئے جانے چاہئیں۔

کالجز کی انتظامیہ بہت کمزور ہوتی ہیں چنانچہ سفارشوں پر داخلے دیئے جاتے ہیں۔ سفارشوں کے طریقہ کو ختم کرنے کے لئے کوئی قدم ضرور اٹھانا چاہیئے۔ بعض سرکاری افسران کی سفارشوں پر دیہی علاقوں کے ڈومیسائل ایسے لوگوں کو دے دیئے جاتے ہیں جو اِن علاقوں میں ایک دن بھی نہیں رہے ہیں۔ اسکولز اور کالجز میں یونیفارم کو لازمی قرار دیا جائے تاکہ کسی کو اپنی برتری جتانے کا موقع نہ مل سکے۔

جبری تعلیم کے متعلق کوئی قطعی اقدام نہیں کیا گیا ہے۔ ۶ سال کے کسی بھی بچے کو پرائمری تک ضرور تعلیم دی جائے۔ اس کے علاوہ طریقۂ امتحانات میں بھی کوئی انقلابی تبدیلی دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔ سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ طالب علم ڈگری تو حاصل کر لیتا ہے لیکن روزگار کا مسئلہ جوں کا توں ہے۔ حکومت کو اِس سلسلے میں اقدامات کرنے چاہئیں۔

۶۔ ہمارے نزدیک تعلیمی اصلاحات کی مکمل کامیابی میں سب سے بڑی رکاوٹ موجودہ نظام ہے جسے تبدیل کیا جانا چاہیئے۔ پرانے فرسودہ نظام کو ختم کر کے اس کی جگہ ترقی پسند اور مکمل انقلابی نظام لایا جائے تو مسائل یقیناً ختم ہو جائیں گے۔

ماں کی خالی گود پربھو کا انتظار کر رہی ہے

# خرکاروں نے اس بچے لڑکے کو اغوا کر لیا!



فضل الٰہی

## مائیں آنچل پھیلا کر اپنے گمشدہ بچوں کی واپسی کی دعائیں مانگ رہی ہیں

شہداد پور کی رہنے والی ایک **بھیل پاڑہ** بیوہ عورت کی دردبھری اپیل قوم اور انسانیت کے منہ پر طمانچہ ہے۔ اس ملک میں نجانے کتنی مائیں اپنی خالی گود پر نوحہ کناں ہیں۔ وہ اپنے آنچل پھیلا کر اپنے گمشدہ اور اغوا ہونے والے بچوں کی واپسی کی دعائیں مانگتی ہیں، مگر انسانی زندگی کا کاروبار کرنے والے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو اغوا کر کے ایسی نامعلوم جگہوں میں پہنچا دیتے ہیں جہاں سے ان کی واپسی کی اُمید ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتی ہے۔

بھیل قوم سے تعلق رکھنے والی بیوہ عورت بھی اپنے اپاہج بیٹے پربھو کی واپسی کی دعائیں مانگ مانگ کر تھک گئی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں خشک ہو گئیں۔ لیکن اس کا گمشدہ بیٹا نہ ملا۔ آخر تھک ہار کر اُس نے پریس کا سہارا لیا۔ اُس نے لکھا ہے۔

"میرا چھوٹا بچہ پربھو جس کی عمر بارہ سال ہے، اور اپاہج بھی ہے۔ تقریباً ایک سال سے میری نظروں سے اوجھل ہے۔ وہ ہر صبح ایک پہیوں والی گاڑی کے ذریعہ باہر نکل جاتا۔ اور شام کو واپس گھر آجاتا۔ یہ اس کا معمول تھا۔ اس نے واپسی میں کبھی دیر نہ کی۔ ایک دن وہ، حسبِ معمول اپنی پہیوں والی گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا، لیکن توقع کے برخلاف شام کو مقررہ وقت پر گھر نہ آیا۔ اس طرح اس کے انتظار میں کئی شامیں گذر گئیں۔ لیکن وہ واپس نہیں لوٹا۔ میری زندگی کا پہلا حادثہ اس بچے کے باپ کی موت تھا، جس نے میری زندگی پر دکھوں کا بھیانک سایہ پھیلا دیا۔ دوسرا حادثہ میرے پیارے اور معصوم بچے کی پُراسرار گمشدگی تھی۔ اس کے علاوہ تین لڑکے اور ہیں، لیکن سب سے چھوٹا اور اپاہج ہونے کی وجہ سے میں اُس سے زیادہ ہی پیار کرتی ہوں۔ شائد خدا کو یہ بات ناگوار گزری اور اُس نے مجھ سے میرا کھلونا چھین لیا۔

میرا پربھو کسی خرکار یا گداگروں کے ٹھیکیدار کے ہاتھ لگ گیا۔ میں نے اس کی تلاش میں دربدر کی خاک چھان ڈالی، لیکن اس کا نشان نہ ملا۔ کچھ لوگوں نے مجھ دکھیا کو یہ بتایا کہ تیرے لڑکے کو خرکار اغوا کر کے لے گئے۔ کچھ نے یہ کہا کہ وہ گداگروں کے ٹھیکیدار کے ہتھے چڑھ گیا۔ اُس نے اسے کمائی کا ذریعہ بنا لیا ہو گا۔ اب وہ بھلا تجھے کہاں ملے گا جو تو پاگلوں کی طرح اس کی تلاش میں ماری ماری پھرتی ہے۔ ظالم میرے دل کی ٹھنڈک اور آنکھوں کا نُور چھین کر لے گئے۔ میرے دن کا چین اور راتوں کا سکون غارت ہو گیا ہے۔ اولاد والو، انصاف کرو، اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچو کسی کا لختِ جگر اس سے چھین لیا جائے تو اس کے دل پر کیا گذرے گی؟ دِل پر چھُریاں چلتی ہیں۔ بھڑکتی آگ پر جسم لوٹتا ہے۔

اولاد چاہے گھاس پھوس کی جھونپڑی میں رہنے والی بھیل عورت کی ہو یا اونچے بنگلے میں رہنے والی امیر زادی کی، دونوں کی چاہت ایک جیسی ہوتی ہے۔ ماتا کا رنگ ایک ہوتا ہے۔ ہولی آئی، لوگوں نے رنگ کھیلے، لیکن میرے گھر میں یہ تہوار بے رنگ ہو کر چلا گیا۔ دیوالی آئی، سب کے گھروں میں دیئے جلے، میرے گھر میں اندھیرا تھا۔ میں دیا کیونکر جلاتی، میرے دل کا دیا تو نہ جانے کون بجھا کر چلا گیا تھا۔

یہ اخبار، جہاں بھی جا رہا ہے اس کے پڑھنے والوں سے میری درخواست ہے کہ مذکورہ فوٹو میں جو لڑکا ہے، میرا پربھو ہے، اگر آپ کو کہیں نظر آجائے تو بذریعہ اخبار یا کسی دوسرے وسیلے سے میرے پربھو کی اطلاع مجھ تک پہنچا دیں، تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اگر میری دردبھری کہانی میرا پربھو پڑھے یا سُنے تو میرے پاس چلا آئے۔ میری خالی گود اس کا انتظار کر رہی ہے۔ میرے دل کے دروازے کھُلے ہوئے ہیں۔ میری آنکھیں اس کی راہ تک رہی ہیں۔ اے اخبار پڑھنے والو، اگر تمہارے سامنے کوئی اپاہج بچہ بھیک کے لئے ہاتھ بڑھائے تو بھیک دینے سے پہلے اس کے چہرے کو دیکھنا، شائد اس کی شکل فوٹو سے ملتی جلتی نظر آئے۔ اُسے میرے پاس پہنچا دینا۔ یہ ایک مظلوم ماں کی فریاد ہے"

پربھو کی ماں، بھیل پاڑہ، محلہ اسلام آباد
شہداد پور، ضلع سانگھڑ، سندھ۔

یہ ماں سے بیٹے کی جدائی کی پہلی واردات نہیں ہے۔ سندھ کے مختلف دیہات اور شہروں میں اس قسم کے سینکڑوں واقعات روزانہ جنم لیتے ہیں۔ سینکڑوں مائیں اچانک اپنے بچوں کی جدائی، گمشدگی اور اغوا پر

بین کرتی رہ جاتی ہیں۔ پولیس میں رپورٹیں بھی درج کرائی جاتی ہیں، بعض اوقات پولیس کے فوری عمل کے نتیجے میں اغوا ہونے والے بچے کسی نہ کسی خرکار یا گداگروں کے ٹھیکیدار کے قبضے سے برآمد ہو جاتے ہیں، لیکن ایسا اسی صورت میں ہوتا ہے جب آدمی اثر و رسوخ والا، یا متمول ہو، اور پولیس کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جائے کہ اگر اس کا گمشدہ بچہ واپس نہ ملا تو اس کا فیتہ خطرہ میں پڑ جائے گا۔ اغوا کے بیشتر واقعات داخل دفتر کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ گمشدہ بچہ کی برآمدگی میں جو خطرات اور اخراجات درپیش ہوتے ہیں اس کی ادائیگی کے لئے غریب والدین تیار نہیں ہوتے۔ حالانکہ اس کی کلی ذمہ داری پولیس پر عائد ہوتی ہے۔

پاکستان کے بڑے بڑے شہروں اور دیہات میں خرکاروں یا گداگروں کے ٹھیکیدار اور ان کے ایجنٹ بڑے منظم طریقے سے انسانی زندگی کا کاروبار کرتے ہیں، وہ مختلف حیلے بہانوں سے چھوٹے چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کو اغوا کر کے اپنے خفیہ ٹھکانوں پر پہنچا دیتے ہیں۔ پھر انہیں اندرونی علاقوں میں انتہائی گمنام مقامات پر قائم شدہ کیمپوں میں منتقل کر کے باہر کی دنیا سے ان کا رشتہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منقطع کر دیا جاتا ہے۔

کیمپوں کے ایام میں ان پر بے پناہ ظلم و تشدد کیا جاتا ہے، مخصوص کاموں کی تربیت دی جاتی ہے۔ جس میں بیگار، چوری، بھیک اور ڈکیتی جیسے مجرمانہ فعل شامل ہیں۔ جو لڑکے ایسے کاموں کی تربیت حاصل کرنے سے انکار کرتے ہیں، انہیں ایسی بھیانک سزائیں دی جاتی ہیں کہ انسانیت خوف اور شرم سے اپنا منہ چھپا لیتی ہے۔ آخر ظلم کے ستائے ہوئے معصوم بچے بھی اپنا سر جھکا لیتے ہیں۔ اغوا شدہ بچوں کو جرائم کی تربیت دیکر خرکاروں اور ایجنٹوں کی نگرانی میں مختلف مقامات پر بھیج دیا جاتا ہے، اُن سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ خرکاروں اور ٹھیکیداروں کی جیب میں جاتی ہے

پچھلے دنوں ناظم آباد کے ایک علاقہ سے ایک تیرہ سالہ لڑکے کو اغوا کر کے بیگار کیمپ میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے اغوا کی جو تفصیلات بتائی تھیں اس کے مطابق وہ اسکول سے واپس آرہا تھا کہ راستے میں ایک شخص نے اس سے کسی جگہ کا پتہ دریافت کیا۔ اُس نے بتا دیا۔ خرکار نے کہا کہ وہ یہاں نیا نیا آیا ہے، اُسے یہاں کا کوئی علم نہیں ہے۔ لہٰذا وہ ٹیکسی میں چل کر مطلوبہ مقام کی نشاندہی کر دے، اسے اسی ٹیکسی سے واپس پہنچا دے گا۔ اسکول کا معصوم طالب علم اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آگیا اور اس کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اسے ہوش نہ تھا، جب اُس کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کر لیا کہ وہ غلط آدمی کے چنگل میں پھنس گیا ہے۔ خرکار اسے شہر کے کسی دور افتادہ مقام کے ایک ویران مکان میں بند کر کے باہر چلا گیا۔ لڑکا موقع دیکھ کر کسی نہ کسی طرح کمرہ کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا، دو دن کے بعد انتہائی بُری حالت میں اپنے گھر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ باپ اپنے گمشدہ بچے کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، ماں کو جیسے دوسری زندگی مل گئی۔

پربھو کی ماں نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ اولاد چاہے گھاس پھوس کی جھونپڑی میں رہنے والی بیوہ بھیل عورت کی ہو یا اونچے بنگلے میں رہنے والی امیر زادی کی ہو، دونوں کی چاہت ایک جیسی ہوتی ہے۔ ماں تا کا رنگ ایک ہوتا ہے۔

بچوں کو اغوا کرنے والے خرکار ملک و قوم کے نام پر ایک مکروہ دھبہ ہیں۔ اس زمین کو ایسے ننگِ انسانیت سے پاک کرنا پولیس اور عوام کا اوّلین فرض ہے۔ تاکہ کوئی ماں تا بھرا دل اپنے بیٹے کی جدائی پر مضطرب نہ ہو سکے، تڑپ نہ سکے، ایک دلخراش اور دل دوز فریاد بن کر عرش اور فرش کو ہلا نہ سکے۔ اگر انسانی زندگیوں کی خرید و فروخت کا کاروبار جاری رہا تو یقین کر لیجئے کہ پربھو کی ماں جیسی ہزاروں دکھی ماؤں کی فریاد سے یہ زمین شق ہو جائے گی۔





امتیاز عالم



میجر اسحاق محمد

## مزدور کسان پارٹی کی

## دو روزہ کانفرنس

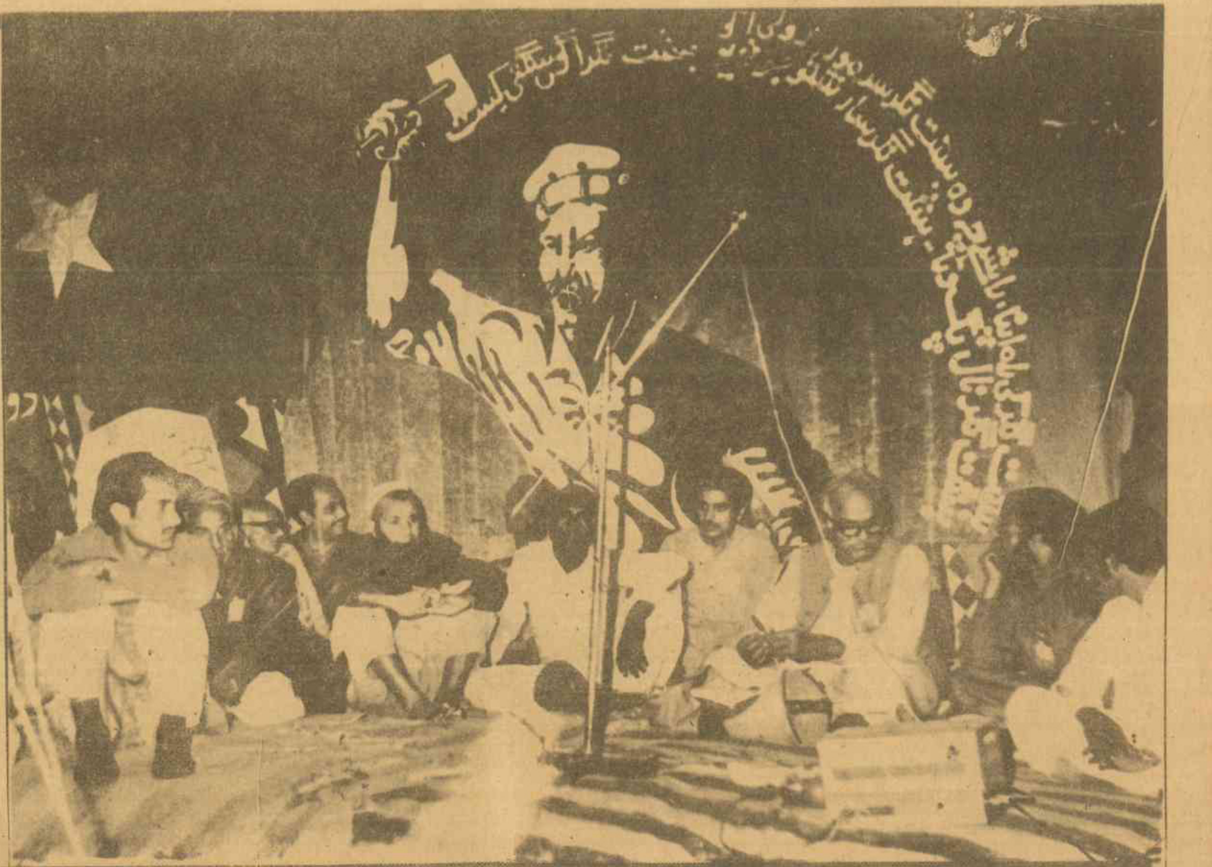
زبیر حسین

# سرحدی کسانوں نے نوکرشاھی کا "ھٰذا مِن فضلِ ربی" بند کر دیا

چل چل او کساناں ہُن چل چلی اے
چل ہشت نگر دے ول چلی اے
اساں حق دا قول نبھانا اے
سر دے کے آپ بچانا اے
کر قوم دی مشکل حل چلی اے
توں غازی شیر جوان بھی ایں
توں دیس اپنے دا مان بھی ایں
اے کے کھیتاں دے دل حل چلی اے
اَج پھڑ لئی اے پنڈے آں خاناں نوں
نہ چھڈی اے سینہ شیطاناں نوں
چل میجر دے سنگ رل چلی اے

۲۴ نومبر ۱۹۷۳ء کی رات کو سینکڑوں مزدور کسان کارکن ایک ساتھ گا رہے تھے۔ اسٹیج کے سامنے درجنوں ساتھیوں نے بھنگڑا ڈالا ہوا تھا۔ ایک روح پرور منظر تھا۔ پشتون، سندھی اور پنجابی ثقافت ایک دوسرے میں مدغم ہو رہی تھی۔ کبھی خٹک ڈانس ہوتا، تو کبھی ہو جمالو پر تمام پشتون، پنجابی، سندھی اور اردو بولنے والے رقص کر رہے تھے۔ (طبلہ اور ہارمونیم بجانے والے پیشہ ور تھے انکو اجرت پر بلایا گیا تھا، وہ بعد میں میجر محمد اسحٰق کے پاس گئے اور انہوں نے کہا کہ آج تک ہم نے اہلِ ثروت کے لئے گایا ہے اب ہم مزدور کسان کے لئے گائیں گے۔ انہوں نے درخواست کی کہ ان کو مزدور کسان پارٹی میں شامل کیا جائے۔ ان موسیقاروں نے تالیوں کی گونج میں اعلان کیا کہ وہ اُجرت نہیں لیں گے اور وہ مزدور کسان پارٹی کے فنڈ میں دے دی جائے) یہ ثقافتی پروگرام رات گئے تک جاری رہا۔

اسٹیج کے پیچھے پارٹی کے سفید تارے والے دو بڑے سرخ پرچموں کے درمیان ایک بہت بڑا پوسٹر لگا ہوا تھا جس میں ایک انقلابی کو دکھایا گیا تھا۔ جس کے ایک ہاتھ میں ہتھوڑا اور دوسرے ہاتھ میں درانتی تھی۔ اس پوسٹر پر تمام قومی زبانوں میں یہ نعرہ درج تھا کہ "ہشت نگر کا ساتھ دو"۔ پورا پنڈال سرخ بینرز سے سجایا گیا تھا۔ چند نعرے بہت زیادہ نمایاں تھے مثلاً "جاگیرداری علاقوں کو مرکز بناؤ"، "صنعتی علاقوں کو گھیر لو"۔ "بھارتی توسیع پسندوں کی جارحیت، اور توسیع پسندیت کے خلاف متحد ہو جاؤ"، "حسن ناصر اور علی داد کو سرخ سلام"، "ہشت نگر دے لوگ، دور نظر دے لوگ، ماؤزے تنگ فکر دے پیامی، سرخ فجر دے لوگ"، "سوشل سامراج اور ترمیم پسندی کے خلاف غیر مصالحانہ جدوجہد جاری رکھو"۔ اور "کل دولت دا خالق کون۔ مزدور کسان، مزدور کسان



کانفرنس کے ڈائس کا ایک منظر ○ میجر اسحاق محمد پارٹی کے دیگر رہنماؤں کے ساتھ بیٹھے ہیں

# سرحد میں اب تک ۸ کسان شہید ہو چکے ہیں



جلوس، میونسپل پارک میں داخل ہو رہا ہے!

پاکستان دا مالک کون۔ مزدور کسان، مزدور کسان!

پنجاب مزدور کسان پارٹی کی مجوزہ دو روزہ کانگریس میں پنجاب کے مختلف اضلاع سے تقریباً سات سو مندوبین و مبصرین نے شرکت کی۔ صوبہ سندھ سے ۲۲ مبصرین اور صوبہ سرحد سے ۱۰ مبصرین نے بھی کانگریس میں شرکت کی۔ مالاکنڈ مزدور کسان پارٹی کے رہنما مولوی محمد صادق نے ٹھیک ساڑھے دس بجے صبح تلاوت کلام پاک سے پہلے اجلاس کا آغاز کیا۔ اس کے بعد لاہور اور بہاولپور کے مندوبین کے ساتھ تمام حاضرین نے مل کر محنت کشوں کا بین الاقوامی ترانہ "انٹرنیشنال" گایا۔ یہ ایک روح پرور منظر تھا۔ سینکڑوں مزدور کسان کارکن دل کی گہرائیوں سے گا رہے تھے۔

روح دی پھاہی وڈھن کارن\
اپنی ڈیوٹی آپے لائیے\
آپے لائیے توڑ نبھائیے\
اَج اساڈا جنگ، اَخیری\
مورچہ کوئی چھڈ کے نہ جاوے\
انٹرنیشنال سانجھ خدائی دی!

مزدوروں کے بین الاقوامی ترانے کے بعد صدر استقبالیہ کمیٹی شفیق وزیری نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ملک بھر میں محنت کش عوام کی جدوجہد ایک نئے دور میں داخل ہو چکی ہے۔ اور فیصلہ کی گھڑیاں نزدیک تر ہو چکی ہیں۔ پنجاب کی دوسری صوبائی کانگریس کا موجودہ اجلاس مزدور کسان تحریک کی نشوونما اور بڑھاوے کا ثبوت ہے۔ انہوں نے کہا کہ حقیقتاً ہو یہ فخر حاصل ہوا ہے کہ یہاں ملک بھر کے محنت کشوں کے نمائندے موجود ہیں۔ میں مقامی پارٹی کی تنظیم کی جانب سے سب کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم صوبہ سرحد اور کراچی کے مزدور کسان نمائندوں کو خصوصی طور پر سلام پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد لاہور شہر مزدور کسان پارٹی کے صدر سلیم جہانگیر نے پنجاب کے کسان علاقوں کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

او بک روحی دے آ شیراں\
او ڈھک روحی دے آ شیراں

سلیم جہانگیر کے بعد سرگودھا ڈویژن کے صدر ملک دوست محمد بھچر، بہاولنگر ڈویژن کے صدر امتیاز عالم، لاہور ڈویژن کے صدر فضل احمد ڈار، راولپنڈی ڈویژن کے صدر ظہیر رضوی اور ملتان ڈویژن کے صدر راؤ سلیمان نے اپنے علاقوں کی رپورٹ پیش کی۔ ان رپورٹوں میں بتایا گیا کہ مزدور کسان پارٹی پنجاب کے سترہ اضلاع میں قائم ہو چکی ہے اور صرف دو اضلاع باقی ہیں جہاں پارٹی کی باقاعدہ تنظیم نہیں کی جا سکی۔ اب مزدور کسان پارٹی پر عوام کا اعتماد بڑھ رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ہماری تنظیم پنجاب میں کسان طبقہ کی نمائندہ مزدور تنظیم بن گئی ہے۔ مزدور کسان پارٹی اس جگہ تیزی سے جنم لے رہی ہے جہاں طبقاتی معرکہ آرائی میں شدت پیدا ہو رہی ہے مزدور کسان تحریک کے لئے حالات جتنے موافق آج ہیں پہلے کبھی نہ تھے۔ پنجاب کے مختلف اضلاع میں کسانوں کی دیہی قوت نے جنم لیا ہے۔ بعض علاقوں میں کسان پنچائتوں کی تشکیل بھی ہوئی ہے جو کہ متبادل نظام کے طور پر ابھر رہی ہیں۔ مزدور کسان پارٹی نے مختصر سے عرصے میں بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں اور مستقبل اس سے بھی بڑی کامیابیاں لئے کھڑا ہے۔

ڈویژنوں کی رپورٹوں کے بعد اجلاس دوپہر کے کھانے کے وقفے کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

تین بجے سہ پہر کانگریس کا دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ امتیاز عالم نے پنجاب کی رپورٹ پیش کی۔ رپورٹ دو حصوں پر مشتمل تھی۔ رپورٹ کا پہلا حصہ پنجاب کے حوالے سے ملک کی عمومی معاشی، سیاسی اور سماجی صورتحال کے تجزیے پر مشتمل تھا۔ جبکہ دوسرے حصے میں مزدور کسان اور دانشور طبقہ کی تحریکات کا تفصیلاً جائزہ لیا گیا تھا۔ مندوبین نے پنجاب رپورٹ پر غور و خوض کیا اور اس کی منظوری دی۔

پنجاب کی رپورٹ کے بعد کونسل کا انتخاب ہوا۔ ہر ڈویژن سے بیس نمائندے لئے گئے۔ اس طرح سے پنجاب کونسل کی کل رکنیت ۱۰۰ کے برابر قرار پائی۔ راولپنڈی ڈویژن نے البتہ کچھ کونسلرز کے نام بعد میں پیش کرنے کی درخواست کی۔ جبکہ پارٹی ڈویژن میں بہتر طور پر پھیل جائے اور پارٹی تنظیم زیادہ متحرک و منظم ہو جائے گی۔ کونسل کے انتخاب کے بعد پنجاب کے عہدیداروں اور ورکنگ کمیٹی کے انتخاب ہوئے۔ غلام نبی کلو کو پنجاب مزدور کسان پارٹی کا صدر اور امتیاز عالم کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ انور اور لطیف کو جنرل سیکرٹری کے لئے منتخب کیا گیا۔ سبط الحسن ضیغم الباقری کو سینئر نائب صدر اور ملک دوست محمد بھچر کو نائب صدر

## ثقافتی طائفہ نے معاوضہ لینے سے انکار کر دیا

مقرر کیا گیا۔ میجر اسحٰق محمد سابق صدر پنجاب مزدور کسان پارٹی کو ورکنگ کمیٹی میں لیا گیا۔

رات کے کھانے کے بعد پھر ثقافتی پروگرام شروع ہوا۔ کراچی کے مرزا احمد بیگ نے دو نظمیں سنائیں

ے ہم جسم میں طاقت رکھتے ہیں
سینوں میں حرارت رکھتے ہیں
ہم عزم بغاوت رکھتے ہیں
مزدور ہیں ہم مزدور ہیں ہم

ے بول اری او دھرتی بول
راج سنگھاسن ڈانواں ڈول

شفیع حسین نے بھی ایک نظم سنائی۔

ے توڑ رہا زنجیر ایشیا توڑ رہا زنجیر
نئی زندگی نکھر رہی ہے موت کا سینہ چیر

رات گئے تک ثقافتی محفل جمی رہی۔ بھنگڑا خٹک اور ہو جمالو پر رقص ہوتا رہا۔ سندھی، پنجابی، اردو، اور پشتو کے ترانے گائے جاتے رہے۔ پشتونوں نے مزدور کسان ترانہ گایا۔

دا دے مزدور وطن　　دا کسانان وطن
دا دے بزگر دا وطن　　دا حسن ناصر دا وطن
دا دے صنوبر وطن

۲۵ نومبر ۱۹۷۳ء کی صبح نو بجے دوسرے دن کا پہلا اجلاس انقلابی ترانوں سے شروع ہوا۔ مالاکنڈ ایجنسی کے رہنما مولوی محمد صادق نے کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پنجاب کانگریس ہمارے لئے ایک تربیت گاہ کی حیثیت رکھتی ہے اور ہم نے اس میں شامل ہو کر بہت کچھ سیکھا ہے۔ انہوں نے مالاکنڈ کسان تحریک پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مالاکنڈ کے کسان ایک عرصہ سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہماری جدوجہد ۱۸۹۵ء سے جاری ہے۔ پہلے ہماری حالت ناقابل بیان تھی۔ ہم سے بیگار لی جاتی تھی، نذرانے جبراً وصول کئے جاتے تھے، ہماری عزتیں محفوظ نہ تھیں۔ ہم پر تعلیم کے دروازے بند تھے۔ مسجدوں میں داخلے پر بھی پابندی عائد تھی۔ اور جب بھی جاگیردار کا جی چاہتا تھا ہمیں بے دخل کر دیتا تھا۔ لیکن ہمیں جدوجہد کا طریقہ نہ آتا تھا۔ کبھی ہم عدم تشدد کا پرچار کرتے اور کبھی کچھ۔ رہنمائی کرنے والی پارٹی نہ تھی، لیکن جب سے مزدور کسان پارٹی کی تشکیل ہوئی ہے اسکی رہنمائی میں اور اس کے کارکنوں کی ہمہ وقت جدوجہد سے ہم [illegible] کر گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ کس طرح



# عوامی جدوجہد ہی مظالم ختم کر سکتی ہے، اسحاق محمد

استحصالی طاقتیں کسان تحریک کو کچلنا چاہتی ہیں۔ مالاکنڈ کے کسانوں کو کچلنے کے لئے علاقہ میں فرنٹیئر کانسٹیبلری تعینات کی ہوئی ہے اور تقریباً چوکیاں قائم کی ہوئی ہیں۔ مالاکنڈ مزدور کسان پارٹی کے صدر لطیف خان کا کا پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا گیا ہے۔ ان کے گھر پر چھاپے مارے گئے ہیں۔ بہت سے کسان اب بھی گرفتار ہیں لیکن ان تمام حربوں کے باوجود کسانوں کے عزم بلند ہیں اور وہ اس ملک سے نیم نو آبادیاتی نظام کو اکھاڑ پھینکیں گے۔

مولوی محمد صادق کے بعد نواب شاہ مزدور کسان پارٹی کے رہنما انور شیخ نے صوبہ سندھ کے کسانوں کی حالت پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے بتایا کہ صوبہ سندھ جہاں وڈیرہ شاہی بہت مضبوط ہے اور زرعی نظام بہت پسماندہ ہے وہاں بھی جگہ جگہ کسان طبقہ وڈیرہ شاہی کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا صوبہ سرحد کی کسان تحریک سے صوبہ سندھ کے ہاری کارکنوں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ہم اس تجربے کا اطلاق سندھ کے مقامی حالات کے تحت کریں گے۔ اور ہم عزم کرتے ہیں کہ بہت جلد صوبہ سندھ کی بنیاد پر ایک عظیم الشان سندھ کانگریس منعقد کریں گے۔

سوات مزدور کسان پارٹی کے رہنما شاہجہان ایڈووکیٹ نے سوات میں مزدور کسان تحریک پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ سوات میں سب سے بڑا تضاد گوجروں اور پشتونوں میں تھا لیکن پارٹی کی انتھک کوششوں کی بدولت اب محنت کش گوجر اور پشتون ایک ساتھ پارٹی کے پرچم تلے منظم ہو گئے ہیں۔

دیہاتی لیبر تنظیم کے صدر آغا خان سٹیر لنے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم مصلّی لوگ اس ملک کے قدیم باشندے ہیں لیکن ہمیں کوئی بھی خدا کی مخلوق نہیں مانتا ہمارے بارے میں سوچنے کو نہ تو کوئی فقیر آیا نہ چودھری اور نہ کوئی ولی۔ لیکن میجر اسحٰق محمد ہمارے بھی بہت



مزدور کسان پارٹی کے جلوس کا ایک منظر

# زمین اور آزادی - کسانوں کی تحریک کا بنیادی نعرہ

بڑے لیڈر ہیں۔ جنہوں نے جیل میں مسلم شیخوں کے حالات پر ایک ڈرامہ تحریر کیا ہے۔ وہ تحریر صرف ایک حقیقت حال ہے۔ بلکہ اس میں مسلم شیخوں کے مستقبل کی جھلک بھی ملتی ہے۔ انہوں نے ہمیں ایک راہ دکھائی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مزدور کسان پارٹی ہی وہ تنظیم ہے جو کہ رنگ و نسل سے مبرا ملک بھر کے محنت کش عوام کی خدمت کر رہی ہے۔ اس نے جدوجہد کرنے کا ایک نیا ڈھنگ دیا ہے اور وہ طریقہ ہے عوامی جدوجہد انہوں نے کہا کہ ہم مسلم شیخ، مزدوروں، کسانوں اور دوسرے محنت کشوں سے مل کر اس ملک سے جاگیرداری اور نوکر شاہی سرمایہ داری کے نظام کو اکھاڑ پھینکیں گے اور عوامی جمہوریت کا نظام قائم کریں گے۔ مسلم شیخوں کے حقوق کا تحفظ بھی اسی صورت سے ممکن ہے۔

کراچی مزدور کسان پارٹی کے جنرل سیکرٹری انور کاظمی نے ملک کی مزدور تحریک پر روشنی ڈالی انہوں نے قیام پاکستان سے مزدور تحریک کی نشو ونما کا جائزہ لیا اور اس کے ارتقائی مراحل کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا کہ مزدور تحریک میں نہ صرف کیفیتی تبدیلیاں ہو رہی ہیں بلکہ کیفیتی طور پر بھی مزدور تحریک بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ مزدوروں کے سیاسی شعور میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ مزدور طبقہ نے بحیثیت مجموعی بورژوا قیادت کو مسترد کر دیا ہے۔ انہوں نے خصوصی طور پر کراچی مزدور تحریک پر بحث کی۔

پاکستان مزدور کسان پارٹی کے جنرل سیکرٹری شیر علی باچا نے کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ مزدور کسان پارٹی کو قائم ہوئے ابھی چار پانچ سال گذرے ہیں۔ یہ ایک مختصر عرصہ ہے لیکن اس مختصر عرصہ کے دوران پاکستان بھر میں عموماً اور صوبہ سرحد میں خصوصاً اس پارٹی نے جتنی کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ بہت کم پارٹیوں کو نصیب ہوئی ہیں۔ صوبہ سرحد میں پارٹی خاص کر دیہات میں کسانوں اور کھیت مزدوروں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی ہے اور ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ اس تحریک کا بنیادی نعرہ، زمین اور آزادی ہے۔

انہوں نے بتایا کہ صدہا سال سے ہماری دیہی آبادی، خوانین، جاگیرداروں اور ان کے گماشتوں کے ظلم وستم کا شکار رہی ہے۔ بیگار، چوکیداری، شادی بیاہ کے ٹیکس، بے دخلیاں، لوٹ کھسوٹ، جبر واستبداد بے عزتی اور بے حرمتی جیسے مصائب ان کی زندگیوں میں زہر گھولتے رہے مگر کسان بے بس تھے، ان کی آواز کوئی نہیں سنتا تھا۔ خوانین نے ان میں پھوٹ ڈال کر قبائلی جھگڑوں میں پھنسا دیا تھا۔ ان کو علم و ہنر سے دور رکھا اور مذہب کے نام پر بے ضمیر مولوی ان پر مسلط کر دیئے گئے۔

مختلف جگہوں پر کسانوں نے مظالم سے تنگ آکر کبھی کبھار بغاوتیں بھی کیں لیکن وہ اکثر و بیشتر ناکام ہو گئیں، تحریکیں بھی چلائیں مگر وہ بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کسانوں کے پاس پرولتاری نظریے کی رہنمائی نہ تھی بلکہ اکثر اوقات ان کے رہنما جاگیردار تھے۔ لہٰذا ان تمام لڑائیوں اور تحریکوں سے کسانوں کو کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہ ہو سکا کیونکہ وہ دوستوں اور دشمنوں میں تمیز نہ کر سکے۔ اب جبکہ مزدور کسان پارٹی نے میدان میں قدم رکھا ہے جو پرولتاری نظریے سے لیس اور انقلابی تجربات سے مالا مال غریب طبقے سے آئے ہوئے رہنماؤں کی پارٹی ہے تو کسانوں کی ہمت بندھی ہے۔ ان کو ایک نئی روشنی اور اپنی آواز ملی ہے جس کی بدولت وہ تیزی سے منظم ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ آج دیہی آبادی کی اکثریت اس تحریک میں شامل ہو گئی ہے۔ تحریک کی عملی اہمیت اور فتوحات نے دیہی آبادی کو متاثر کر کے اپنی طرف تیزی سے کھینچ لیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ تحریک کو اس مقام تک لانے میں ۸۰ ساتھیوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ اور یہ انہی جیالے ساتھیوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ ظالم طبقات ہم سے خوفزدہ ہیں۔

شیر علی باچا کے بعد پاکستان مزدور کسان پارٹی کے صدر میجر اسحٰق محمد نے پنجاب کے کارکنوں کو مبارکباد دی جن کی جدوجہد سے پارٹی مزدور کسان اور دوسرے محنت کش لوگوں میں پھیلی۔ انہوں نے پنجاب کے کارکنوں کو یاد دلایا کہ دو سال قبل پنجاب، مزدور کسان پارٹی کی پہلی مندوب کانفرنس یا کانگریس وائی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال لاہور میں منعقد ہوئی تھی، اور اب دوسری کانگریس جاگیرداری کے گڑھ چشتیاں میں منعقد ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب پارٹی شہروں سے نکل کر دیہاتوں میں پھیل رہی ہے۔ انہوں نے اس یقین کا بھی اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے ہماری آئندہ کانگریس ڈیرہ غازی خان میں ہو۔ انہوں نے کہا۔ کہ پارٹی کی قلب ماہیت ہو رہی ہے جس کی بدولت پارٹی دن بدن نکھر رہی ہے۔

سب سے آخر میں نو منتخب صدر پنجاب مزدور کسان پارٹی غلام نبی کلو نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پارٹی نمائندوں نے ان کے کاندھوں پر جو بڑی ذمہ داری ڈالی ہے اس کو وہ تمام کارکنوں کی باہمی کوششوں اور جدوجہد کے ذریعے پورا کریں گے انہوں نے تمام دوستوں کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم نے اپنی صفیں نئے سرے سے ترتیب دی ہیں اس لئے ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں تاکہ بلا از جلد مزدور کسان پارٹی کو دور دور تک غریبوں میں پھیلایا جائے

کھانے کے وقفے کے بعد جلوس ترتیب دیا گیا جلوس کی قیادت میجر اسحٰق محمد، شیر علی باچا اور دوسرے رہنما کر رہے تھے۔ جلوس میں سب سے آگے صوبہ سرحد کے ساتھی، ان کے بعد صوبہ سندھ کے ساتھی اور پھر پنجاب کے ساتھی تھے۔ یہ چشتیاں کی تاریخ کا سب سے بڑا جلوس تھا۔ جلوس ۲ بجے کانگریس کے پنڈال سے شروع ہوا اور ۴ بجے جلسہ گاہ پہنچا۔ جلوس کے آگے ڈھول کی تھاپ پر بہت سے ساتھی رقص کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ چشتیاں شہر "چھین لو چھین لو، جاگیریں

باقی صفحہ ۳۱ پر

مالاکنڈ میں

کسان تحریک

۱۸۹۵ء سے

جاری ہے

**افسانہ**

احسان ملک

# کافر

بلوچ کا بیل سوہنا برفیلے بلند کوہسا

دادل خاں کی مانند جمالی اور جلالی صفات کا ایک حسین امتزاج تھا۔ رنگ سفید، بدن پکے بادام سا، گردن بلوط کا تنا، کوہان پہاڑ پر قلعہ، بانکے بل کھاتے سینگ، پھن اٹھائے کالے ناگ، سرمگیں آنکھوں کے کٹورے سیاہ، جو شب تار میں جلتے چراغ بن جائیں، قرمزی تھوتھنی کے مسام بکھرے بکھرے، گہرے گہرے گویا بے چھوئی ملائم ریت پر برسات کی پہلی بوندیں، لمبی مخروطی دم کا گچھا گھور کالا، مگر دیئے کی طرح لو دیتا، چم چم چمکتا ہوا۔

ان سنگلاخ پہاڑوں کی آبادیوں میں جہاں بادام کے گھنے درختوں کی چھاؤں میں بہنے والے چشموں کا پانی انگور کے رس کی طرح میٹھا تھا، دادل اور سوہنا چاند اور چکور کی طرح مشہور تھا۔

جب کبھی دادل سوہنے کو لئے باہر نکلتا تو اپنے دلبر کی اٹھان اور اس کی مست متوالی چال دیکھ کر ایک بے پناہ جذبے کی سرمستی سے مخمور ہو جاتا اور اس کے پیروں میں بندھے گھونگھروں کی چھن من، چھن من تال پر لہک لہک کر بہک کر، بدمست شرابی کی طرح رقص کرنے لگتا۔ بستی کی کنواریاں کھڑکیوں اور روزنوں سے انہیں دیکھنے لگتیں اور ساری بستی کے بچے خوشی سے ناچتے کودتے، ان کے پیچھے تالیاں بجاتے چلے آتے۔

شام کے وقت جب وہ سوہنے کو بستی کے چشمے پر نہلا رہا ہوتا تو اس کے گرد بلوچوں کے ٹھٹھ لگ جاتے تب دادل سوہنے کی ایک ایک عادت، ایک ایک



صفت کو حدیث دلبر کی طرح بیان کرتا اور اس کے مزاج کی باریک تفسیریں کرنے لگتا ——" میرا سوہنا عاشق خدا جلالی درویش ہے۔ ذرا دیکھو تو اس کے سینگ بل کھا کر مسجد کی محراب بن گئے ہیں۔ اس کا ماتھا منبر ہے اور کان مینارے"۔ ایسے میں وہ بے حد جذباتی ہو جاتا اور اپنی ارمانوں بھری آواز میں کہتا ——" اور اگر خدا چاندی کے اس پہاڑ میں پارہ بھر کے اور اس کی اداؤں میں بجلیاں قید کر کے دادل کو تحفہ نہ بخشتا تو وہ نہ جانے کس قدر بدنصیب انسان ہوتا۔ تب تو دادل کی زندگی ببول کے جنگل کی طرح ویران ہوتی۔ وہ کبھی فخر سے سینہ پھلا کر نہ چلتا، نہ وہ گوٹے دار سُرخ صدری پہنتا نہ زری دار کلاہ ماتھے پر ترچھی کر کے جاتا، سو گز کی سرداری شلوار سلواتا، نہ اتنے چاؤ سے تلے دار جوتے بنواتا۔

سوہنے کی الفت میں دادل نے گیت اور ٹپے بنا ڈالے تھے ——!

تقاسان چیتوں پر آبیانہ وصول کر کے وہ اپنے خزانے بھرا کرتا لوگ اسے پانی کا تاجر کہتے تھے۔ دادل سے اس کی دشمنی اور رقابت ضرب المثل بن کر خلق کی زبان پر تھی۔ سردار سوہنے پر عاشق تھا اور اسے کسی قیمت پر بھی حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ دادل کسی طرح قابو نہ آیا تو اس نے چوری چھپے اس کی کھڑی کھیتیوں کو آگ لگوائی اور اس کے پھلدار درخت آروں اور کلہاڑیوں سے کٹا کر ڈھیر کر دیئے لیکن جب فصل کٹی تو بستی کے جوانوں نے سب سے پہلے دادل اور سوہنے کا حصّہ نکالا اور دادل کی کوٹھیاں غلّے سے بھر گئیں۔ بستی زردینا دادل کے دل کی دھڑکن بن گئی اور سوہنا اس بستی کے بلوچوں کی حمیّت کا نشان!

اب سردار اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کے لئے پہلے سے بھی زیادہ ہاتھ پیر مارنے لگا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اب کی بار میلے کے جشن میں سر جھکا کر چلے اور اس پر آوازے کسے جائیں۔ چنانچہ اب اس نے اپنے طور طریقے بدلے۔ دادل کو ہمیشہ کے لئے آبیانہ معاف کر دینے کی پیش کش کی۔ اپنی دوستی کا یقین دلایا، بھیڑوں کے گلے پیش کئے۔ مگر دادل ہر مرتبہ حقارت سے ہنس دیا۔

ایک روز شام کے وقت جب دادل سوہنے کو چشمے پر نہلا رہا تھا اور چشمے پر کھڑے جوانوں کے ہجوم سے بدستور سوہنے کی توصیف و ثنا میں مشغول تھا کہ معاً اس کی نظر دور پہاڑیوں پر جا پڑی۔ فوراً اس کی طبیعت منغض ہو گئی۔ وہ دور پہاڑیوں پر اشارہ کر کے بولا" دیکھو، سردار استم خاں پھر آ رہا ہے کم بخت —— بھلا تم ہی بتاؤ یارو، سوہنے کی یہ سنہری ڈوری اس کے مردار ہاتھوں میں بھلا کیا سجے گی؟ یار حسن تو عشق کی ملکیت ہوتا ہے دنیا میں سب دھاندلی چل سکتی ہے۔ عشق پر تو کسی کا زور نہیں چلتا —— یہ پدر سوختہ اس رمز کو کیا جانے" ایسے میں دادل نے سرد آہ بھری اور بستی کے بوڑھے شب زندہ داروں کے نام لے کر شکایت سے لبریز ہو گیا کہ وہ دادل کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ شوق و مستی میں سوہنے کو سجدے کرتا تھا۔ اتنے میں سردار استم خاں قریب آ گیا۔ دادل کی نظر گمشتے کے ہاتھوں میں چمڑے کی تھیلی پر پڑی اور اس سے پہلے کہ سردار کچھ کہتا، دادل درشتی سے بولا" سردار دولت بہت ہو گئی ہے تو اللہ میاں سے چاند ستارے خرید لو سوہنے کے بدلے اگر تم اپنا دل بھی نکال کر دو گے تو میں اس کالے دل کو چیل کوّوں کے آگے ڈال دوں گا" سردار نے خجالت سے مجمع پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی

"سوہنا حسن کی مورت ہے اور میں اس کا پجاری۔

مجھے اس میں پروردگار دو عالم کے ازلی جمالی کا پَرتو نظر آتا ہے۔

تمہیں قسم ہے زاہدو، مجھے کافر نہ کہو" تپتی ہوئی سونی اور ویران دوپہروں میں دادل اکثر یہ ٹپے گایا کرتا، تب اس کی بھاری آواز ساری بستی کا احاطہ کر لیتی اور لیے لگتا جیسے پتھر، پہاڑ، درخت اور پودے دادل کا یہ نغمہ سنتے سنتے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے ہیں۔

چاندنی راتوں میں جب دادل معمول کے مطابق صبح کاذب کے وقت جاگتا تو چاندی کے اس پتلے کو سونے میں ڈھلا ہوا دیکھ کر اس کے حسن سے مسحور ہو جاتا۔ ایسے میں اس کی سنگ شکن آواز آس پاس کی وادیوں میں سات سات بار گونجتی اور جب دوسرا اٹھاتا تو وادیاں خاموش ہوتیں اور اس کی آنکھیں اشکوں کے ساز پر نغمہ سنج تب آس پاس چھائی ہوئی خاموشی آواز بن جاتی اور دادل کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ مل کر "حق حق" کی صدا دینے لگتی۔

بلوچوں کی یہ بستی۔ جہاں بادام کے گھنے درختوں کی چھاؤں میں بہنے والے چشموں کا پانی۔ انگور کے رس کی طرح میٹھا تھا اور جہاں دادل اور سوہنا چاند اور چکور کی طرح مشہور تھے "زردینا" کہلاتی تھی۔ یہاں کے لوگ جفا کش، جری اور باصفا تھے ان کی آنکھوں میں حیا تھی، دلوں میں ایمان اور صبر و قناعت ان کا مسلک تھا۔ زردینا کے معصوم اور نوخیز بلوچ زادے سارا دن قرآن پڑھتے، جوان کاشتکاری کرتے، باغیچے لگاتے، بندوقیں، ساطور، خنجر اور تلواریں بناتے اور فرصت کے اوقات میں نشانہ بازی سے جی بہلاتے یا تلوار بازی سیکھتے۔ بڈھے شب زندہ دار تھے اور زہد و تقوے میں فرشتوں کو مات کرتے تھے۔

زردینا میں پیارے ایسا بڑا سرخ گلاب کثرت سے پیدا ہوتا تھا اور بادام ابر برشگال کی ان گنت بوندوں سے بھی زیادہ۔ ہر گھر انگور کی بیلوں کی ٹھنڈک سے مخمور تھا۔ شہتوت اور خوبانی کے درختوں کا شمار نہیں تھا اور یہاں کی مکئی حسن زلیخا کی طرح مشہور تھی۔ ہر سال جب میلہ لگتا تو بادام مکئی، خشک میوے کے اونچے ڈھیر پہاڑوں کا نقشہ کھینچتے۔

بستی زردینا کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی گڑھی تھی۔ جہاں ایک بلوچی سردار پرانے قلعے میں رہتا تھا۔ چیچک بھرا چہرہ، چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ تنگ پیشانی۔ ٹھگنا قد چھوٹے چھوٹے پاؤں، پہلی نظر میں ہی استم خاں خباثت کا پتلا نظر آتا تھا۔ علاقے کے کئی ایک چشموں پر اس کا قبضہ و تصرف اور جوانوں کے کاندھے پر ٹکے ہتھیاروں کی چمک دیکھ کر چپکے سے واپس چلے جانے کا ارادہ کر لیا ابھی وہ چار قدم ہی گیا ہو گا کہ جوانوں کے ایک زور دار قہقہے نے اس کا سینہ چھڑوا دیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر ان سب کو سانپ کی سی زہریلی نظروں سے دیکھا اور چپکے سے آگے کھسک گیا ——!

صبح سویرے یہ خبر بستی میں آگ کی طرح پھیل گئی کہ چشمہ سوکھا پڑا ہے۔ بستی کی کنواریوں کی ٹولیاں سر نہوڑائے خالی گاگریں لیے چشمے سے مایوس اور ماتم کناں واپس آ رہی تھیں۔ بستی والوں نے آس پاس کے ٹیلوں پر چڑھ کر دیکھا۔ راتوں رات چشمے کا رُخ موڑ کے اسے بستی کی سرحد سے دور گھاٹیوں اور چٹانوں پر آوارہ چھوڑ دیا گیا۔ ان کا محبوب نازک بدن۔ معصوم چشمہ چٹانوں سے آبشار بن کر گر رہا تھا۔ پتھروں سے گر کر بلک رہا تھا بیابان کی خاک میں مل رہا تھا۔

اور پھر چار دنوں میں ہی سارا گاؤں مویشیوں کی کربناک آوازوں سے بلبلاتے لگا گوروں سے بچوں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ عورتیں چپکے چپکے سسکنے لگیں اور بستی کے سب جوانوں پر مُردنی چھا گئی۔

اس سے قبل کہ جوان بندوقیں لے کر سردار کی گڑھی پر دھاوا کرتے۔ دادل نے استم خاں کو کہلوا بھیجا کہ اگر وہ بستی کا چشمہ واپس دے دے تو وہ سوہنے کو اب کے برس میلے میں زیادہ سے زیادہ مول ڈالنے والے کے سپرد کر دے گا۔

زرعی سال ختم ہوا۔ فصل کٹ گئی، خشک پھل اور سوکھے گلاب ڈھیروں میں لگا دیئے گئے تو ہر بستی نے دھوم دھام سے میلے کی تیاریاں شروع کیں، کاشتکار اجناس کی خرید و فروخت کے منصوبے تیار کرنے لگے غلے اور پھل لیجانے اور ڈھونے کے انتظام میں منہمک ہوئے۔ گلہ بانوں نے چیدہ چیدہ جانور چھانٹے اور انہیں بنانے سنوارنے میں مشغول ہو گئے۔ اونٹوں کے بال تراش کر ان پر قینچی سے خوبصورت نقش و نگار بنائے گئے۔ مرغ، تیتر اور بٹیر پالیوں میں لڑائی کے لئے تیار ہوئے علاقے کی تمام بستیوں کے بلوچوں نے سانڈنیوں کی دوڑ نیزہ بازی، شہسواری، زور آزمائی، نشانہ بازی اور مصنوعی شمشیر زنی کے لئے اپنے جوان منتخب کئے اور مقررہ تاریخ پر میلے میں آن پہنچے۔

میدان میں میلے کی روح سوہنا۔ بن سنور کے ایک مضبوط تھم سے بندھا تھا۔ وہ مستی اور جوش کے عالم میں تھا۔ اس کی بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی۔ آنکھیں شعلہ زن تھیں۔ وہ غصے کے مارے بار بار زمین پر پیر پٹختا اور اپنے اردگرد لگی بھیڑ کو دیکھ کر خوفناک آوازیں نکالتا، دور و نزدیک سے آئے ہوئے بلوچ گھنٹوں کھڑے اسے دیکھ کر عش عش کیا کرتے۔ راتوں کو سوائے سوہنے کے بلوچوں کے پاس بات چیت کے لئے کوئی اور موضوع نہ رہتا۔ ساری فضا ایک استفسار ایک انتظار سے بھری تھی۔ سوہنا اب کس کے ناموس کی زینت ہوگا؟

اور جب اجناس اور غلے کے انبار اٹھ گئے اور بھیڑوں، اونٹوں اور مویشیوں نے اپنے اپنے مالکوں کو بدل لیا، اون خچروں پر لد کر منڈی میں پہنچ گئی، بٹیروں تیتروں اور مرغوں نے پالیاں مار لیں، شرطیں جیتیں اور ہاری جا چکیں۔ طرح طرح کے مقابلوں میں پرانے نام مٹ کر نئے نام پیدا ہو چکے تو جشن کے آخری روز اب کے برس کا سب سے اہم سوال کا طے ہونا قرار پایا کہ فطرت کا شاہکار سوہنا کس بلوچ کا سہرا بنے گا؟ اس مقصد کے لئے صبح سویرے ہی ایک اونچے چبوترے پر مسند لگا دی گئی تھی جہاں علاقے کے تین سفید ریش بزرگ جو سراپا ایمان، علم اور تقوے کی تصویر تھے، چبوترے کے سامنے سوہنا ایک تھم سے بندھا اپنے آپ کو رسیوں کی بندش سے آزاد کرانے کی کوشش میں مشغول نظر آتا تھا چبوترے کے ایک طرف سرداروں اور بولی دینے والے تونگروں کے خیمے ڈیرے تھے۔ گرداگرد علاقے بھر کی بستیوں کے جوان ہتھیار سجائے کھڑے تھے بندوقیں بھری ہوئی تھیں، خنجر آبدار تھے، نیزوں کے سرے صبح کی روشنی میں ہیروں کی طرح چمک رہے تھے۔ بلوچوں کے دل بے قراری سے دھڑک رہے تھے فضا ایک تکلیف دہ تجسس و اضطراب سے بھری تھی۔ یکایک طبل پر چوٹ پڑی اور میلے کے بڈھے نقارچی نے مخصوص طرز بیان اور طرز ادا میں پہلے تو بلوچوں کو چاند اور چکور، سوہنے اور دادل کی کہانی سنائی۔ پھر رزمیہ انداز میں سردار استم خاں کی رقابت کا ذکر کیا اور پھر اشاروں کنایوں میں عشق و ہوس کی ازلی جنگ کا ذکر چھیڑ کے بلوچوں کو بتایا کہ آج نظر خریدار کی آزمائش ہے

دوپہر سے لے کر شام تک سوہنے کو چاندی کے مول تولا جاتا رہا۔ ہر قبیلے کے سردار نے اپنی ہمت، و استطاعت سے بڑھ چڑھ کے بولی دی اور جب علاقے کے تمام تونگر اپنی اپنی بولیاں بول چکے تو سارے میدان پر انتہائے تجسس کا عالم چھا گیا۔ تماشائی استم خاں کے خیمے کی طرف دیکھنے لگے۔ استم خاں میدان میں آئے گا یا سوہنے کا ہیروں کے برابر مول دیکھ کر کھسک جائے گا

دیکھتے دیکھتے سردار استم خاں کے خیمے کا پردہ اٹھا اور ہاتھ میں تلوار لئے شان سے چلتا ہوا رقص کرتا ہوا میدان میں در آیا۔ وہ زرق برق لباس زیب تن کئے ہوئے تھا اور اس کے ہر عضو سے نخوت و حقارت، طنز و تفاخر عیاں تھا وہ ایک ایسی کمان بن گیا تھا جس سے ہر لحظہ نفرت کے زہریلے تیر نکل نکل کر تماشائیوں کے دلوں میں پیوست ہو رہے تھے، اس کے خیمے کے پیچھے اس کے قبیلے کے جوان بندوقوں سے مسلح کھڑے تھے۔

اس طرح اینڈتا، چلتا، رقص کرتا، سردار استم سوہنے کے مقابل آگیا اور با آواز بلند قبائلی انداز میں اپنے قبیلے کی شوکت و سطوت، بہادری اور جرأت کے کارنامے دہرانے لگا۔ اپنی دوستی کو بے پایاں رحمت اور دشمنی کو قہر خدا بتلایا اور اس تمہید کے بعد ایک ایک کر کے ہر قبیلے کے ہر سردار کو مسابقے اور مقابلے کی دعوت دی لیکن ہر سردار اپنا آخری داؤ کھیل چکا تھا۔ سوہنے کی قیمت اب آسمان سے باتیں کر رہی تھی انہوں نے جو دیوار استم خاں کے لئے بنائی تھی اب وہ خود اس کو عبور کرنے سے قاصر تھے۔ ہر طرف خاموشی اور سکون پا کر استم خاں حقارت سے مسکرایا اور انتہائے تفاخر سے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر سوہنے کی آخری بولی پر گرہ لگائی، ہر تماشائی کے دل پر اس کی دولت کی دھاک بیٹھ گئی۔

چبوترے پر بیٹھا ہوا سب سے معمر شخص اٹھا اور پکارا "دادل خان یہ آخری بولی ہے کہو منظور ہے؟"

دادل خاں ہاتھ میں تلوار لئے میدان میں آیا اور للکارا "استم خاں ناموس کا مول زر سے نہیں تلوار سے ہوتا ہے!"

دادل کا یہ اعلان سن کر سارے بلوچ مبہوت رہ گئے اور چار سو سناٹا چھا گیا۔ دادل نے آج نہ صرف بے حساب دولت کو ٹھکرا دیا تھا، بلکہ وہ کھلم کھلا ہلاکت کو بھی دعوت دے رہا تھا۔ استم خاں کی شمشیر زنی کی شہرت دور دور تک تھی وہ اپنے کئی حریفوں کو دعوت مبارزت دے کر موت کی نیند سلا چکا تھا۔

استم خاں نے دادل پر حقارت کی نظر ڈالتے ہوئے ایک زہر خند کے ساتھ دادل کی دعوت جنگ قبول کر لی۔ طے پایا کہ دادل ہار جائے تو اس کا تمام اثاثہ استم خاں کی ملکیت بنے اور اگر استم خاں ہارے تو بستی کا چشمہ دادل کی ملکیت سمجھا جائے۔

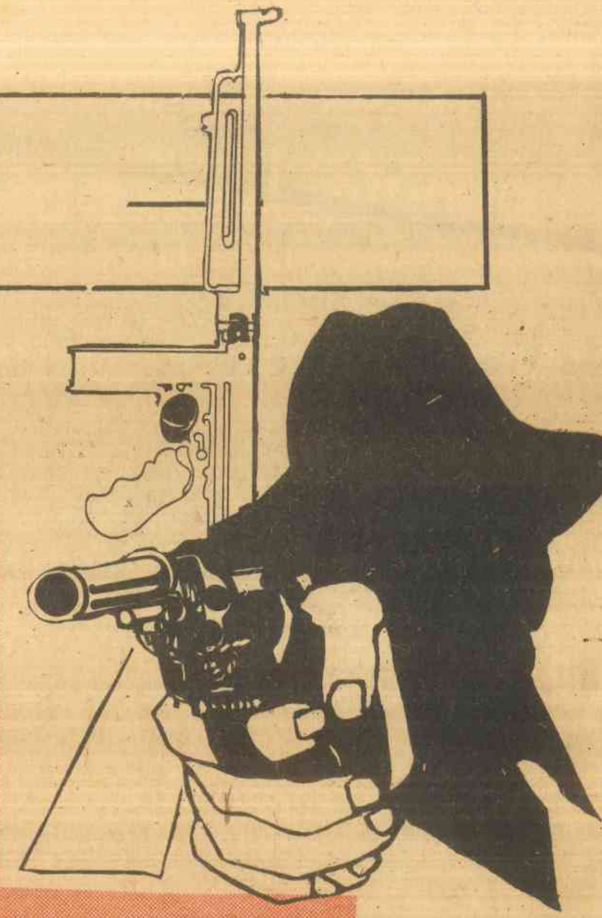
دفعتاً فضا میں طبل جنگ کی صدا ابھری اور دونوں حریف آمنے سامنے آگئے! استم خاں للکارا .....
دادل تم جیسے نوآموز کو پہلے ہی وار میں ہلاک کر دینا میری توہین ہے، میں پورے سات وار کروں گا اور اگر تم بچ گئے تو قسم ہے پروردگار کی اپنی ہار مان لوں گا!" یہ کہتے ہوئے استم خاں نے پینترا بدلا، تلوار کو دائیں بائیں لہرایا اور پھر لپک کر بڑی مہارت اور پھرتی سے تلوار کی نوک کو دادل کے سینے پر رکھ کے دکھایا۔ ایک لمحہ وہیں ٹھہرے رہنے کے بعد وہ پیچھے ہٹا اور فرط انبساط سے چک پھیریاں لیتے ہوئے تلوار کو بڑی فنکاری سے اوپر نیچے کی جھلک دے کر ایک بار پھر اس کی نوک دادل کے سینے پر رکھ دی۔

دادل سے اس طرح استہزا اور تمسخر کرتے ہوئے استم خاں ایک ایک کر کے دادل پر پورے چھ خالی وار کر چکا تو پیچھے ہٹ کر میدان کے آخری سرے پر جا پہنچا اور للکار کے بولا"..... بچاؤ اپنے آپ کو دادل، یہ میرا آخری اور مہلک وار ہوگا۔" یہ کہتے ہوئے وہ پنجے تلے قدموں سے چک پھیریاں لیتا، دائیں بائیں اوپر نیچے تلوار چلاتا، آگے بڑھتا چلا آیا۔ تماشائی دم بخود اور خاموش، بیم و رجا کے عالم میں بت بنے کھڑے تھے کہ دفعتاً ان کی آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوندی اور دوسرے ہی پل انہوں نے دیکھا کہ استم خاں نے اپنی تلوار دادل کے سینے پار کر دی ہے اور وہ ایک زہر خند چہرے پر لئے دو قدم دور ہٹ کر بڑے ظالمانہ انداز میں دادل کی جانکنی کا منظر دیکھ رہا ہے!

دادل پہلے لڑکھڑایا، پھر سنبھلا اور پھر یکایک اس

باقی صفحہ ۳۱ پر

## جرائم کی تنظیموں کی سالانہ آمدنی چار سو کھرب ڈالر ہے



الفتح رپورٹ

# ڈیٹرائٹ قتل و غارتگری میں امریکہ کے تمام شہروں سے بازی لے گیا

چچا سام کا دیس بھی عجیب ہے۔ یہ روشنیوں کا ملک ہے۔ دنیا کا سب سے مہذب اور خوشحال ملک کہلاتا ہے۔ "جمہوریت" کا محافظ ہے جہاں بھی "جمہوریت" کو خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ یہ اپنے فرائض منصبی بحسن و خوبی ادا کرتا ہے اور اپنی فوجیں بھیج دیتا ہے۔ یہ "انسانیت" کا علمبردار ہے۔ بلکہ حیوانات کے تحفظ کا دعویدار بھی ہے۔ ۱۸ ویں صدی سے یہاں پر محکمہ "تحفظ حیوانات" قائم ہے لیکن جب اس کے فوجی کمبوڈیا، لاؤس، ویت نام میں ہزاروں حریت پسندوں کو گولیوں کا نشانہ بناتے ہیں۔ تو وہ انسانیت کی "خدمت" ہوتی ہے۔ اس کا محکمہ جاسوسی اور فوج بیرون ملک "مجرم حکومتوں" کا تختہ اُلٹنے میں مصروف رہتی ہے۔ لیکن خود امریکہ میں مجرم اور قاتل دندناتے پھرتے ہیں۔ کسی کی عزت، آبرو اور جان محفوظ نہیں۔ قتل کی شرح میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے۔

امریکی ہفت روزہ "نیوز ویک" (۷ دسمبر ۱۹۷۲ء) کی رپورٹ کے مطابق، ڈیٹرائٹ تمام شہروں سے بازی لے گیا تھا، اس لئے اس کا نام "مرڈر کیپٹل آف امریکہ" رکھ دیا گیا۔ لیکن اب بعض شہر ڈیٹرائٹ کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں موٹر سٹی میں ۶۹۳ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔ ماہرین نے پیشگوئی کی ہے کہ ۱۹۷۳ء میں یہ تعداد بڑھ کر یقیناً ۸۰۰ تک پہنچ جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہزار ۸ سو ۶۰ پر ایک قتل ہوتا ہے۔ جب کہ شکاگو میں ۳ ہزار ۸ سو ۶۲ شہریوں پر ایک قتل ہوتا ہے۔ ہیسٹن میں ۴ ہزار، ۷ سو ۹۰ شہریوں پر ایک قتل، اور نیویارک میں ۴ ہزار ۸ سو ۲۰ شہریوں پر ایک شہری کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ ڈیٹرائٹ میں آئندہ سال قتل کی شرح میں غیر معمولی اضافہ کا امکان ہے۔ پولیس ذرائع کے مطابق ڈیٹرائٹ کے لوگوں نے اپنے آپ کو ہتھیاروں سے مسلح کر لیا ہے۔ انہی کے مطابق ان لوگوں کے پاس پانچ لاکھ ہینڈ گنز ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر تیسرا شہری مسلح ہے، اس میں مرد، عورتیں، اور بچے شامل ہیں۔

درحقیقت ان جرائم کی ذمہ داری امریکی عوام پر نہیں بلکہ وائٹ ہاؤس کے ارباب اقتدار اور استحصالی نظام پر عائد ہوتی ہے۔ اداکارہ شیرن ٹیٹ کے قتل میں ماخوذ ۲۳ سالہ خوبرو ملزم پیٹریکل کو نیو نکل نے جیوری کے سامنے اقبالِ جرم کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تم لوگوں نے ایک طرف تو صدر نکسن کو ووٹ دیا جو کہ ہر اُس نوجوان لڑکے کا قاتل ہے جسے ویت نام میں زبردستی جنگ کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ دوسری طرف تم ہمارے خلاف سزائیں سناتے ہو۔ میں نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کا نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے اپنے آپکو اُسی وقت ہلاک کر لیا تھا جب میں نے اداکارہ شیرن ٹیٹ کے مہمان گیگی فولگر کو چاقو مار کر ہلاک کیا تھا۔ کسی دوسرے کو ہلاک کرنا خود اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ ہم سب ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ میں سزا پانے کے لئے تیار ہوں، لیکن مجھے سزا سنانے سے پہلے لاکھوں انسانوں کے قاتل نکسن کو تختہ دار پر لٹکاؤ"!

اسی تضاد کی بنا پر امریکی معاشرہ تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا ہے۔ وال اسٹریٹ کے اجارہ دار سرمایہ داروں اور امریکی حکمرانوں نے پوری قوم کو ایسی مشین بنا دیا ہے جس کا مقصدِ حیات دولت کے حصول کے سوا اور کچھ نہیں، چند سکوں کے حصول کے لئے گلی گلی، کوچے کوچے میں جسموں کی تجارت ہونے لگی ہے۔ راتوں رات امیر بننے کی خواہش نے قتل، اغوا اور دیگر جرائم کو بھی تجارت بنا دیا ہے چند ڈالر دے کر اپنے دشمن کو اغوا یا قتل کروایا جا سکتا ہے۔ اِس وقت جرائم کی تجارت امریکہ کا سب سے بڑا منافع بخش کاروبار ہے۔ امریکی محکمہ

انصاف کی ایک رپورٹ کے مطابق جرائم کی تنظیموں کی سالانہ آمدنی چار سو کھرب ڈالر ہے۔

امریکی پولیس قتل و غارت گری کی روک تھام کرنے میں بری طرح ناکام ہو گئی ہے کیونکہ جرائم کا کاروبار کرنے والے نہ صرف اعلیٰ سرکاری حکام کا منہ ڈالروں سے بھر دیتے ہیں۔ بلکہ وہ امریکہ کے اجارہ دار سرمایہ داروں کی فہرست میں شامل ہونے کی وجہ سے ریاستی اداروں کو اپنی آہنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں۔

حیدر آباد

## انڈس گیس کی

## انتظامیہ کی مزدور دشمنی

انڈس گیس کی انتظامیہ نے مزدوروں کے خلاف انتقامی کارروائیاں شروع کر دی ہیں۔ یونین کے ارکان اور مزدوروں کے درمیان نفرت کو جنم دیا جا رہا ہے نفاق پھیلانے کی بھرپور کوششیں کی جا رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے مزدوروں میں بے چینی اور اضطراب پھیل رہا ہے۔ اس وقت محنت کش مندرجہ ذیل مسائل سے دوچار ہیں۔

۱۔ گورنمنٹ کے اعلان کردہ قانون اسٹینڈنگ آرڈر آرڈیننس ۱۹۶۸ء ترمیم شدہ ۱۹۷۲ء کے تحت اضافی بونس کی ادائیگی نہیں ہوئی ہے۔

۲۔ کلرکوں سے ایک ہفتہ میں ½۱۰ گھنٹہ اور فیلڈ اسٹاف سے ½۲ گھنٹے بطور بیگار کام لیا جا رہا ہے۔

۳۔ عرصہ دراز سے معاہدے کے تحت چھٹیوں کے دنوں میں کام کرنے پر ڈبل اوور ٹائم اور اس کے بدلے اضافی چھٹی کی سہولت بند کر دی گئی ہے۔

۴۔ فیئر پرائس شاپ چند دن کھولنے کے بعد بند کر دی گئی ہے اور اس میں بھی یہ پابندی لگا دی گئی ہے کہ تین سو روپے سے زائد تنخواہ پانے والے سامان نہیں لے سکیں گے۔

۵۔ معاہدے کے تحت پرائیویٹ گاڑیوں کی سہولت میں کمی کر دی گئی ہے۔

۶۔ دو عارضی چوکیدار جو مستقلی کے قانوناً مستحق ہیں مستقل نہیں کئے جا رہے ہیں۔

۷۔ چوکیداروں کو پھنسانے کے لئے زبانی طور پر رات کو تالا لگا کر گھر چلے جانے کو کہا گیا ہے۔

۸۔ ڈاکٹروں کے بلوں کی ادائیگی قصداً دیر سے کی جاتی ہے تاکہ ڈاکٹر علاج کرنے سے ہی گریز کریں۔

۹۔ معاہدے اور چار مرتبہ ڈبلیو۔ پی۔ آئی۔ ڈی سی کے بالا افسران کی منظوری کے باوجود محض انتقامی کارروائی کے تحت یونین کے سرگرم کارکن کو جونیئر فٹر کا گریڈ پرانی تاریخ کے بجائے نئی تاریخ سے دیا گیا ہے۔

۱۰۔ ہیڈ چوکیدار اور چپراسیوں کے جمعدار سے پرانی ڈیوٹی لیتے رہنے کی برابر کوشش جاری ہے

۱۱۔ قانون اور معاہدے کے تحت بونس کی ادائیگی سے دو ملازمین کو ابھی تک محروم رکھا گیا ہے۔

۱۲۔ مستقل لوگوں کو کام سے علیحدہ کر کے دوسری جگہ تبادلہ کر دیا گیا ہے اور ان کی جگہ عارضی لوگوں سے کام لیا جا رہا ہے۔

۱۳۔ تقریباً چار ماہ سے پڑی ہوئی درخواستوں کی چھٹیاں منظور نہیں کی گئی ہیں۔

۱۴۔ ۱۹۷۳ء کے معاہدے کی بہت سی شقوں پر ابھی تک عمل نہیں ہوا ہے۔

بقیہ ۶ اداریہ

میں فیصلے کیے جائیں اور بدعنوانیوں کے مرتکب افراد کو، کڑی سزائیں دی جائیں۔

اِس عمل سے جہاں حکومت اور پارٹی پر عوام کا اعتماد بحال ہوگا، وہاں ملک کو ایک ایسا معاشرہ بھی نصیب ہو جائے گا، جس کے تمام شہری احساسِ ذمہ داری سے کام لیں گے۔ اُن میں سے ہر ایک سب کے لیے اور سب ہر ایک کیلئے ہوں گے۔

بقیہ •

## احوال واقعی

اور بڑی زمین داریوں کا خاتمہ کرنا چاہتی تھی۔ اور جاگیرداروں کی زرعی اراضی کسانوں میں تقسیم کرنے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔ لیکن اسپین کے فوجی جرنیل جو بذاتِ خود بڑے جاگیردار اور زمین دار تھے۔ زرعی اصلاحات کے کٹر مخالف تھے۔ اِس کے علاوہ ہٹلر، مسولینی اور یورپ کی دیگر رجعت پسند حکومتیں بھی ہسپانیہ کی حکومت کے اس منصوبے کے خلاف تھیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ ان زرعی اصلاحات کا مقصد سوشلزم اور کمیونزم کو لانا ہے۔ چنانچہ فسطائی طاقتوں نے اسپین کے فوجی جرنلوں کو حکومت کا تختہ الٹنے پر اُکسایا اور انہیں بھرپور امداد دی، جنرل فرانکو کی قیادت میں فوجی جرنلوں نے فسطائی طاقتوں کی شہ پر بغاوت کر دی، لیکن اسپین کے عوام نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ چنانچہ خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اور یہ خانہ جنگی فاشزم اور جمہوری اقدار کے حامیوں کی رزمگاہ بن گئی۔ دنیا بھر کے جمہوریت پسندوں اور انقلابیوں نے اسپین کے جمہوریت پسندوں کا ساتھ دیا۔ دنیا کے ہر ملک سے جمہوریت پسند اور انقلابی اسپین پہنچنے لگے۔ تاکہ جمہوریت کی اس جنگ میں حصہ لے سکیں۔ امریکہ، روس، جرمنی اور فرانس کے انقلابی شاعروں نے بھی اسپین جا کر اس جنگ میں حصہ لیا۔ کمیونسٹ انٹرنیشنل کی اپیل پر دنیا کے ہر ملک سے انقلابی اسپین پہنچے اور پانچویں رجمنٹ منظم کی، جس نے دلیری اور جانثاری کی تاریخ میں اپنے لہو سے ایک درخشاں باب رقم کیا۔ یہ خانہ جنگی ۴ سال تک، جاری رہی۔ لیکن فسطائی اور رجعت پسند حکومتوں کی بھرپور امداد کی بدولت جنرل فرانکو کی فوجیں آگے بڑھتی رہیں اور عوامی جمہوری فوجیں پسپا ہوتی گئیں۔ اِس موقع پر پانچویں رجمنٹ میں شامل ایک انقلابی شاعر پکار اُٹھا۔

میڈرڈ تیرے دروازوں پر

تیری آنکھوں کے سامنے، تیرے مکانوں کی دہلیزوں تک
آن پہنچی ہے تاریکی اندھیرا لئے تہ در تہ
یہ ہولناک درندے منہ پھاڑے تجھ پر جھپٹنے کو ہیں
میڈرڈ کے باسیو! ہتھیار اٹھاؤ۔

اب یہی آواز میڈرڈ کی فضاؤں میں گونج رہی ہے۔ اور عوام آمریت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اپنی صفیں درست کر رہے ہیں۔

## بقیہ: افسانہ

کے سینے سے ایک ہیبت ناک و دلخراش آواز نکلی، اس کے ساتھ ہی بلوچوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ وادل زخمی شیر کی سی تندی و تیزی سے ایک ہی زقند میں اسلم خاں کے سر پر جا پہنچا، اس کی تلوار بجلی کی طرح چمکی، اور چشم زدن میں اسلم خاں کے جسم کو اوپر سے نیچے تک دو ٹکڑوں میں کاٹ کے رکھ دیا۔

فضا میں قیامت کا شور برپا ہوا، وادل نے اب فاتحانہ انداز میں تلوار لہرائی اور جوانمردی سے للکار کر بولا جوانو! میری بستی کی کنواریوں سے کہہ دینا کہ وادل تمہاری معصوم آنکھوں کے مقدس آنسوؤں پر قربان ہو گیا ہے اور اب کوئی ظالم ان سے بستی کا چشمہ نہیں چھین سکتا! یہ کہہ کر وادل نے ایک بار پھر فاتحانہ سطوت سے تلوار لہرائی اور پھر تیورا کر گر پڑا!

## بقیہ: یورپی اور عظیم طاقتوں کے ساتھ تعلقات

ایک بڑی طاقت کی حمایت حاصل ہے اور ہم اس قابل ہیں کہ یورپ کی کم از کم ایک نیم عظیم طاقت کی حمایت حاصل کر لیں۔ اگر اتنی مضبوط اجتماعی حمایت کا سہارا لے کر ہم صحیح اور عاقلانہ اقدامات کے لئے آگے بڑھیں تو اس قابل ہو سکتے ہیں کہ اپنے منصفانہ دعووں کے حصول کے لئے باقی چھوٹی اور بڑی مملکتوں پر اثر ڈال سکیں۔ ہم اپنے آپ کو الجھاووں سے آزاد کر لیں گے۔ اور اخلاقی، مادی اور سیاسی دباؤ کی زد میں آنے سے بچ جائیں گے۔ نسبتاً سلامتی کے مقام پر پہنچ کر ہمیں سازگار موقعے کا انتظار کرنا چاہیئے جو عین قرین قیاس ہے کہ پیچیدہ بین الاقوامی صورتحال ہمیں مہیا کر دے گی۔ اس وقت تک مداخلت کے دباؤ کو روک کر ہم جموں اور کشمیر کے بارے میں کسی ناموافق تصفیے کے مسلط کر دیئے جانے سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور تمام ممالک کے ساتھ اپنے دوطرفہ تعلقات میں ہم آہنگی پیدا کر سکتے ہیں۔

عالمی طاقتوں کی پالیسیوں میں تغیر و تبدل ہوا ہی کرتا ہے۔ عالمی صورت حال کی حرکیات کا تقاضا ہے کہ چھوٹی قومیں اجتماعی مقاصد کے خلاف اپنے انفرادی مقاصد کے لئے عالمی طاقتوں کے ساتھ تصادم سے گریز کریں۔ بیس سال ایک قوم کی زندگی میں لمبا عرصہ نہیں ہوتا۔ ہمیں نہایت مضبوط ارادے کے ساتھ اپنے منصفانہ مقصد پر قائم رہنا چاہیئے۔ ہم کسی ایسی بات کو جو اخلاقی یا نظریاتی طور پر واجب ہو صرف اس بنا پر تج نہیں سکتے کہ فی الوقت حالات ناموافق ہیں۔ کشمیر کے لوگ بیس سال سے تباہی کا سامنا کر رہے ہیں۔ اگرچہ ان کے شہر اور دیہات زمین کے برابر کئے جا رہے ہیں۔ لیکن ان کی روحِ مزاحمت پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ مضبوط ہے۔ وقتی تعطل کو قبول کر لینا کسی غیر منصفانہ حل پر رضامند ہو جانے سے بہتر ہے۔ ایک تحقیر آمیز سمجھوتہ مستقبل میں بھی کسی منصفانہ تصفیئے کو کم کر دے گا۔

پاکستان کے سامنے پہلا کام یہ ہے کہ اس غیر ملکی مداخلت کو گھٹائے یا ممکن ہو تو زائل کر دے۔ جو پریشانی کن سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور جو اگر اسے روکا نہ گیا، تو نہ صرف جموں اور کشمیر کی بابت کوئی، نامنصفانہ سمجھوتہ ہم پر مسلط کر سکتی ہے بلکہ ممکن ہے ہمیں ہندوستان کے دوش بدوش خلافِ چین محور میں بھی مبتلا کر دے۔ لہٰذا ہمارے روایتی سیاسی اندازِ نظر میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اپنے عہد کی روح کے بالکل خلاف، اور سرد جنگ کی روح کیخلاف بھی، ہم نے بہت بڑا خطرہ مول لے کر غیر ملکی دخل کاری اور خلل اندازی کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اگر ہمارے جھگڑوں کا حل غیر ملکی طاقتوں کے مفاد کے خلاف ہوا تو وہ ہمارے جھگڑوں کو حل کرنے کی کوشش نہ کریں گے۔ ایک بار اگر غیر ملکی اثر ختم ہو جائے، تو ہمارے لئے یہ ممکن ہو گا کہ ہم مسائل کو از سرِ نو حقیقی پس منظر میں دیکھ سکیں۔ مسئلے کی سادہ ترین شکل یہ ہے کہ پاکستان کو کسی صورت میں بھی عالمی طاقتوں کے نظریاتی یا علاقائی تنازعات میں ملوث نہ ہونا چاہیئے۔ عالمی مقابلہ آرائیوں میں ہمیں لاگ لگاؤ سے پاک رویئے کو قائم رکھنا چاہیئے، لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں ایسے عالمی مسائل میں جو عوام اور اقوام کے مساوی حقوق خود ارادیت اور اقتصادی آزادی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایک واضح اور آزادانہ اندازِ نظر اختیار کرنا چاہیئے پاکستان کو دوسرے ممالک کے رویئے سے کوئی اثر قبول کئے بغیر اپنے نظریاتی اصولوں کے مطابق ہمیشہ جارحیت کی مخالفت اور اس کا شکار ہونیوالوں کی پشت پناہی کرنی چاہیئے۔ ہمیں عالمی طاقتوں کی نظریاتی صف آرائی میں سختی کے ساتھ غیر جانبداری کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ ان طاقتوں کے ساتھ اپنے تعلقات کا تعین کرنے میں پاکستان کو اپنے جغرافیائی محلِ وقوع کا لحاظ بھی رکھنا چاہیئے اور اپنے جائز مقاصد کے لئے اس کو جو مدد میسر ہے۔ اس کا بھی اِسے عالمی رقابتوں میں کوئی بندھا بندھایا مؤقف اختیار کرنے کی بجائے ہر معاملے میں اپنی حکمتِ عملی نفس الامر کی روشنی میں متعین کرنی چاہیئے۔ یہ حکمتِ عملی ہر ملک کے اندرونی معاملات میں "عدم مداخلت" اور تمام اقوام کے لئے حق خود ارادیت کے نظریے کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اسے ایسی پیشگی شرط بھی قبول کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے جو قومی اور نظریاتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور آزادیٔ عمل میں مزاحم ہو۔

(بشکریہ "دی منتھ آف انڈی پینڈنس")

## بقیہ: مزدور کسان پارٹی کی کانگریس

چھین لو" "توڑ دو توڑ دو، زنجیریں توڑ دو" کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ جلسہ کی صدارت پنجاب پارٹی کے صدر غلام نبی کلو صاحب نے کی۔ جلسہ سے صوبہ سرحد کے شاہجہان ایڈووکیٹ اور پنجاب کے امتیاز عالم نے خطاب کیا۔ اس کے بعد میجر اسحٰق محمد نے جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ چشتیاں کے بہادر کسانوں، سندھ کے جیالے مزدوروں اور کسانوں اور سرحد کے بہادر شیر کسانوں۔ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اگر آپ اسی طرح قدم سے قدم ملا کر چلیں گے تو وہ دن دور نہیں جب آپ کے کاندھوں سے ظلم کا بوجھ اتر کر ظالموں پر آ پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ کسانوں پر ظلم نسل در نسل ہوتا چلا آیا ہے۔ لیکن آج فرق یہ ہے کہ آپ نے زبان کھولی ہے۔ مظالم آپکو خود جدوجہد کر کے ختم کرنے ہوں گے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ یہ سرحد کے بہادر کسان آپ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ انہوں نے اپنے علاقے سے ظلم و ستم ختم کر دیا ہے لیکن اس کے لئے ان کو ۸۰ ساتھیوں کی قربانی دینی پڑی ہے۔ اب ان کے علاقے میں عدالتیں بند ہیں اور افسروں و سرکاری اہلکاروں پر "ھذا من فضلِ ربّی" بند ہو گیا ہے کیونکہ رب کے بندوں نے ان سرکاری اہلکاروں پر فضل بند کر دیا ہے۔ اس لئے آپ لوگ بھی اپنے ہاتھ مضبوط کریں، شیر بنیں، اپنی زبانیں کھول دیں اور ساری دنیا کو اپنی بپتا سنائیں۔ میجر اسحٰق محمد کے بعد غلام نبی کلو نے تقریر کی۔ اس کے بعد جلسہ کے اختتام کا اعلان کر دیا گیا۔

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
27 DEC 1973 - JAN 3, 1974

# اعلان

ہمیں افسوس ہے کہ " سیاسی رہنما آج اور کل " کی
ضخامت کے پیش نظر اشاعت ۳ جنوری کو ممکن نہیں
رہی۔ اس خصوصی نمبر کی اہمیت کی وجہ سے تاریخ
اشاعت کا اعلان بعد میں کیا جائے گا

جنرل مینجر
ہفت روزہ الفتح
۸۷/ڈی۔ نرسری پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی ۲۹